اکتوبر Oct. 2021
www.shibliinternational.com
ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

گاندھی جی

یوم پیدائش: ۲؍اکتوبر ۱۸۶۹ء

ڈاکٹر رادھا کرشنن

یوم پیدائش: ۵؍ستمبر ۱۸۸۸ء

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی

قیمت: -/20 روپے

Issue44 شمارہ_Vol4 جلد

اکتوبر: Oct :2021

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی، پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مفتی محمد فاروق قاسمی
مولانا ارشاد الحق مدنی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ، محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال، ڈاکٹر ناظم علی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، مولانا عبدالوحید ندوی، مولانا احمد نور عینی، ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان

قیمت فی شمارہ: 20 سالانہ: 220
رجسٹرڈ ڈاک: 350- بیرونی ممالک: 50/ امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 2000

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرۃ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط وکتابت کا پتہ

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	جگاؤنہ باپو کو نیند آرہی ہے	شمیم کرہانی	۱۰
۵	نجات کا اٹل قانون	مولانا حبیب الرحمٰن	۱۱
۶	قاضی اطہر مبارکپوری اور میں	مولانا نجم الدین احیائیؒ	۱۳
۷	مصر کے تاریخی شہر اسکندریہ میں حضرت ابودرداءؓ کی درگاہ	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی	۱۷
۸	تہنیت	یوسف روش	۱۹
۹	مہاتما گاندھی کے زرّیں اقوال	ڈاکٹر سید عابد حسین	۲۰
۱۰	کولم پلی کے کل ہند مشاعرہ کا اردو ادب کے فروغ وقومی یکجہتی......	سید احمد حسینی	۲۳
۱۱	تعزیتی قطعہ/ ایمان پر ہی مرنا	ڈاکٹر نادر المسدوسی	۲۷
۱۲	اولاد کی تربیت میں باپ کا کردار	عشرت راشدی	۲۸
۱۳	غزل	ہاجرہ نور زریاب	۳۱
۱۴	راغب کی شعری کائنات میں مدح رسولؐ کا فکری وفنی مطالعہ	محمد عارف حسین	۳۲
۱۵	میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں	ایس ایم عارف حسین	۳۵
۱۶	عزیز قیسی بحیثیت رباعی گو	صفیہ بیگم	۳۷
۱۷	ڈاکٹر عابد معز کے انشائیوں کا مجموعہ ’’فارغ البال‘‘	مبصر: انصار احمد معروفی	۳۹

ماہنامہ ’’صدائے شبلی‘‘ کے خصوصی معاونین

جناب **ابو سفیان** اعظمی، مقیم حال ممبئی... جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد
مفتی **محمد فاروق قاسمی**۔ صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھراپردیش
ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد... مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ
الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد الحاج **محمد زکریا** انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ
حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ) مقیم حال دبئی... ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد
مولانا **محمد عبدالقادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد... الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل
کالونی بارکس حیدرآباد... الحاج **محمد عبدالکریم**۔ صدر مسجد اشرف کریم گلشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہ اکتوبر میں ہجری ماہ ربیع الاوّل شروع ہو چکا ہے۔اسی ماہ میں بارہ تاریخ کو مشہور قول کے مطابق امام الانبیاء، خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی ہے۔اس تاریخ کے تعلق سے علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لیے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضاوقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجزہ طرازی موسیٰؑ جان نوازیٔ مسیحؑ، سب اسی لیے تھا کہ یہ متاع ہائے گران ارز شہاہنشاہِ کونین ﷺ کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبح جاں نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ فرّخ فال ہے، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ'' آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدۂ فارس بجھ گیا، دریائے سادہ خشک ہو گیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدۂ کفر، آزرکدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرماروائے عالم، شہنشاہِ کونین، عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزت واجلال ہوا، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ (سیرۃ النبیؐ، جلد اول، ص: ۱۲۰/۱۲۱)

ہمارے ملک میں ۲ر اکتوبر کو گاندھی جی کی یومِ پیدائش بلا تفریق مذہب وملت مثلِ عید اور آئیڈیل کی طرح منائی جاتی ہے۔ گاندھی جی نے عدم تشدد، خدمت خلق اور سادگی کا پیغام دیا ہے، مگر ملک کی موجودہ صورتِ حال اس کے برعکس ہے، اربابِ حل وعقد کو اس بدلتے ہوئے منظرنامے پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا ملک کا کوئی بھی پھول ختم نہ ہو اور نہ مرجھائے۔

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کا مدرسہ، مصلی، لائبریری، آڈیٹوریم، آفس وغیرہ کے لیے ۳۲۷ گز پر جی پلس (3) تعمیری کام جاری ہے، تعمیر کے لیے کثیر سرمائے اور تعمیری اشیاء کی ضرورت ہے۔ٹرسٹ اپنے معاونین ومحبین سے گزارش کرتا ہے کہ وہ دامے درمے، سخنے مدد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کا پانی مانگا، میں نے بکری کا دودھ پیش کیا، مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ بائیں جانب، حضرت عمرؓ سامنے اور ایک بدّو داہنی جانب تھا، آپؐ نے پی لیا، تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا، یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو، آپؐ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے، یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بدّو کو عنایت فرمایا۔

(قریش اپنے فخر و امتیاز کے لیے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا، بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مقام کرتے تھے، علاوہ بریں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہیں خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھ کر آپؐ کے لیے مخصوص کردی جائے اور وہاں سایہ کے لیے کوئی چھپر ڈال دیا جائے، صحابہؓ نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا "جو پہلے پہنچ جائے، اسی کا مقام ہے"۔

صحابہؓ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ شریک ہوجاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے، مدینہ میں آکر سب سے پہلا کام مسجد نبویؐ کی تعمیر تھی، اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہؓ کی طرح خود آنحضرت ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک تھے، خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، صحابہؓ یہ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانیں قربان، آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں لیکن آپؐ اپنے فرض سے باز نہ آتے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہؓ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے، آپ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کررہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی۔

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہؓ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا، لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا، جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت ﷺ نے اپنے ذمہ لیا، صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ! یہ کام ہم خدام کرلیں گے، فرمایا "ہاں سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں، خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا، جو اپنے ہم راہیوں میں ممتاز بنتا ہے"۔

غزوۂ بدر میں سواریوں کا سامان بہت کم تھا، تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک ایک اونٹ تھا، لوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے، آنحضرت ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو آدمیوں کے ساتھ شریک تھے، ہم راہ جاں نثارانہ اپنی باری پیش کرتے اور عرض کرتے کہ یارسول اللہ! آپؐ سوار رہیں، حضورؐ کے بدلہ ہم پیادہ چلیں گے، ارشاد ہوتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ چل سکتے ہو اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں)

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۶۳/۲۶۵)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

ڈاکٹر عمیر منظر

ڈاکٹر عمیر منظر (پ: ۵؍مئی ۱۹۷۴ء) اسسٹنٹ پروفیسر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی لکھنؤ کیمپس کی تعلیم جامعۃ الفلاح اور جامعہ ملیہ میں ہوئی ہے۔ جامعۃ الفلاح کے نصاب تعلیم میں علامہ شبلی کا تخیل شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عمیر منظر کو علامہ شبلی سے فطری طور پر لگاؤ ہے۔ چنانچہ انھوں نے علامہ شبلی کی تصنیفات اوران کے افکار کا دلجمعی سے مطالعہ کیا ہے۔ متعدد مقالات کے علاوہ ایک کتاب ''شبلی، مکاتیب شبلی اور ندوۃ العلما'' بھی مرتب کر چکے ہیں۔ ان کے مقالات کے عناوین یہ ہیں:

۱۔ شبلی کی مملکت علمی۔ کتاب نما دہلی، جون ۲۰۱۳ء

۲۔ شبلی اور سرسید کے تعلقات۔ ایوان اردو دہلی، مارچ ۲۰۱۸ء

۳۔ خطوط شبلی میں اردو کتب۔ ایوان اردو دہلی، نومبر ۲۰۱۶ء

۴۔ مولانا شبلی کے علمی کمالات۔ آن لائن ریفریڈ جرنل۔ جنوری تا مارچ ۲۰۱۶ء

۵۔ مکاتیب شبلی چند معروضات۔ صدف پٹنہ، دسمبر ۲۰۱۵ء

۶۔ علامہ شبلی اور شبلی شناسی کے چند نئے پہلو۔ معارف، نومبر دسمبر ۲۰۱۶ء

۷۔ علامہ شبلی اور مثنوی صبح امید۔ معارف، جون ۲۰۱۳ء

۸۔ شبلی کی شاعری۔ اسلام اور عصر جدید دہلی، ۲۰۰۸ء

۹۔ سفرنامہ روم ومصر وشام۔ نئی کتاب دہلی (۵) ۲۰۰۸ء

برادرم ڈاکٹر عمیر منظر نے جو کتاب مرتب کی ہے اس میں علامہ شبلی کے وہ خطوط یا خطوط کے اقتباسات ہیں جن کا تعلق ندوہ کی تاریخ سے ہے۔ علامہ شبلی نے نو برس تک ندوہ کے کیمپس میں رہ کر اس کی خدمت کی ہے۔ در اصل ندوہ کو ندوہ انھیں نے بنایا اس کے لئے انھوں نے بڑی جدوجہد کی اس کی بیشتر تفصیلات خطوط میں موجود ہیں۔

یہ کتاب ندوہ سے متعلق شبلی کی خدمات کی نہ تاریخ ہے اور نہ اس کی تمام تفصیلات ہی بیان کرتی ہے تاہم آئینہ ضرور دکھاتی ہے کہ شبلی نے ندوہ کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جسے تاریخ ندوۃ العلماء کے مصنف نے نظر انداز کیا ہے یا شاید وہ تاریخ ندوہ لکھنے کے اہل ہی نہ تھے۔

کتاب کا دیباچہ بھی ڈاکٹر عمیر منظر نے محنت سے لکھا ہے اور قدرے طویل ہے۔ اور اس طرح لکھا ہے کہ شبلی کی خدمات ندوہ اور ان کے تعلیمی افکار ونظریات کا ایک اجمالی مرقع اس میں آگیا ہے۔ مصنف نے ثابت کیا ہے کہ وہ بڑے ماہر تعلیم تھے، تعلیم، نصاب تعلیم اور اس کے متعلقات کے وہ اپنے معاصرین کے مقابلہ میں زیادہ واقف کار تھے۔ تاہم جدید نصاب تعلیم جس کے نفاذ کے لئے ندوہ قائم ہوا تھا اس کے جاری کرانے میں انھیں بڑی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا، باوجود اس کے انھیں کامیابی ملی اور ندوہ نے بڑے صاحب کمال پیدا کئے ان میں سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا عبدالباری ندوی فلسفی اور مولانا مسعود علی ندوی وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر عمیر منظر نے ان کوششوں کا بھی ذکر نہیں کیا ہے جو ندوہ سے علامہ شبلی کو نکالنے کے لئے بعض علماء نے کیں اور

بالآخروہ اس میں کامیاب ہوئے۔البتہ ان کے اثرات کومٹانے کے لئے بعد کے نظمائے ندوہ نے جو کوششیں کیں ایک آدھ جگہ اس کا بھی ذکر آگیا ہے۔تاہم وہ بھی محض ذکر ہی ہے،اس کی تفصیلات پیش نہیں کی گئی ہیں، ڈاکٹر سید عبدالعلی اور مولانا علی میاں دونوں کو علامہ شبلی کی خالص علم وتحقیق سے عبارت زندگی میں روحانیت کی کمی محسوس ہوئی ان کے زیر اثر طلبہ میں بھی دینی وروحانی فضا مفقود تھی، ڈاکٹر سید عبدالعلی اس کمی سے دل گیر رہا کرتے تھے چنانچہ مولانا علی میاں نے شبلی کے ان اثرات کو مٹانے اور دینی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی، ڈاکٹر عمیر منظر نے کاروان زندگی اور سیرت مولانا محمد علی مونگیری سے اقتباسات پیش کرکے ان دونوں بزرگوں کے خیالات پیش کئے ہیں، سیرت مولانا محمد علی مونگیری پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت الاستاذ مولانا مجیب اللہ ندوی نے شبلی کی شخصیت کو جو مجروح اور ان کی خدمات ندوہ کو جس طرح نظر انداز کیا گیا تھا اس کی نہ صرف نشاندہی کی تھی بلکہ ندوہ پر تاریخ سازی کا الزام بھی عائد کیا تھا، ڈاکٹر عمیر منظر نے اسے بھی نقل کیا ہے۔اور آخر میں لکھا ہے کہ خدا جانے شبلی کے اثرات مٹانے میں انھیں کتنی کامیابی ملی۔ (شبلی، مکاتیب شبلی اور ندوہ ص ۱۱-۲۲)

راقم ان تمام مباحث پر شبلی کے الفاظ میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ ندوہ کو اگر دیو بند ہی بنانا تھا تو دیو بند کیا برا تھا۔

ڈاکٹر سہیل شفیق

ڈاکٹر سہیل شفیق (پ: ۱۹؍مئی ۱۹۷۷ء) اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی حوصلہ مند اور ہونہار اہل قلم ہیں، کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ مرکز برائے ترتیب اشاریہ، حواشی وکتابیات کراچی کے منتظم اعلی ہیں۔انھوں نے کئی ایسے علمی کام کئے ہیں جنھیں شبلی شناسی کے حوالہ سے یاد رکھا جائے گا۔اولاً انھوں نے ماہنامہ معارف کا اشاریہ مرتب کیا اس کام کی جانکاہی کا اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جس نے اشاریہ ترتیب دیا ہو، پھر وفیات معارف جمع کیں اور ضخیم کتاب تیار کی، بعدازاں معارف میں شائع ہونے والے علامہ شبلی سے متعلق تاریخی مقالات کو ”معارف شبلی“ کے نام سے اگست ۲۰۱۶ء میں مرتب کیا، اس میں راقم کے بھی تین مقالات کو شامل کیا ہے۔ان کی یہ تمام کاوشیں قرطاس کراچی سے اہتمام سے شائع ہوئی ہیں۔

ان کتابوں پر انھوں نے جو مقدمے لکھے ہیں وہ خاص توجہ کے مستحق ہیں ان میں انھوں نے شبلی کے کمالات کا احترام وعقیدت سے ذکر کیا ہے اور انھیں اسلامی تاریخ کا مایہ ناز مورخ قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر ارشاد نیازی

ڈاکٹر ارشاد نیازی استاذ شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی کے مطالعہ اور تصنیف وتالیف کا ایک موضوع شبلیات بھی ہے، انھوں نے ”عہد شبلی کے تنقیدی تصورات“ کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند لی ہے۔ موازنہ انیس ودبیر کے مطالعہ، محاسبہ اور تجزیہ پر ایک مفصل کتاب لکھی ہے جو ۲۰۰۰ء میں دہلی سے شائع ہوچکی ہے۔ بعدازاں علامہ شبلی کی شخصیت اور فکروفن پر کتابوں کی کمی کے احساس نے ایک کتاب مرتب کرنے کا خیال پیدا کیا، چنانچہ انھوں نے تفہیم شبلی کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں علامہ شبلی کی شخصیت، شاعری، تنقید، سوانح نگاری، کلام وعقائد، مقالہ نگاری، خطوط نگاری اور ان کے اسلوب بیان وغیرہ پر ہندوستان کے ممتاز اہل قلم نے مضامین یکجا کئے گئے ہیں، تفہیم شبلی کئی لحاظ سے بہت اہم ہے، اس کے مطالعہ سے علامہ کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں اور اہل علم کے آراء وخیالات کا بھی اندازہ ہوتا ہے، ڈاکٹر ارشاد نیازی صاحب ان کاوشوں کے لئے قابل مبارک باد ہیں۔

تفہیم شبلی پر انھوں نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے، حالانکہ ان کا یہ احساس ہے کہ

"شبلی نے اپنے معاصرین یعنی سرسید، حالی، محمد حسین آزاد اور نذیر احمد وغیرہ میں سب سے کم عمر پائی، صرف ستاون برس، لیکن جہاں تک علمی و ادبی کارناموں کا تعلق ہے اپنے تمام معاصرین میں سب سے ممتاز اور منفرد مقام رکھتے ہیں"۔ (تفہیم شبلی ص ۱۰)

پھر اس کی انھوں نے تشریح کی ہے۔ تفہیم شبلی کے مختلف ابواب کا انھوں نے بڑے عمدہ انداز سے تعارف کرایا ہے۔ اس کے ضمن میں شبلی کی شخصیت کے تمام اہم پہلو واضح کر دیئے ہیں اس سے مطالعہ شبلی میں ان کی گہری نظر اور ان کی تنقیدی صلاحیت بھی سامنے آتی ہے۔ مگر یہ ایک قابل تنقید بات ہے کہ انھوں نے اپنے موقف کی تائید میں جن اہل قلم کے اقتباسات درج کئے ہیں ان کا حوالہ تو در کنار ان کا نام لینا بھی گوارا نہیں کیا ہے۔

اب تک مطالعہ شبلی میں تین رویے روا رکھے گئے ہیں۔ ایک مادحانہ، دوسرے مخالفانہ اور تیسرا غیر جانبدارانہ۔ ڈاکٹر نیازی نے شبلی پر جو کچھ لکھا ہے وہ بہر حال غیر جانبدارانہ کے ضمن میں آتا ہے۔ خاص طور پر موازنہ کے مطالعہ میں جس کا انھوں نے بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے ان کا یہی رویہ سامنے آتا ہے، وہ گہرے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ

"موازنہ انیس و دبیر سے قبل مرثیہ کے فنی لوازمات کا زبانی طور پر تو ذکر عام تھا، ان سے متعلق کچھ بے ربط باتیں جو حقیقت سے قریب ہوتی تھی کہہ تو دی جاتی تھیں مگر ان باتوں میں تال میل بٹھا کر ایک منظم طرز فکر کی تشکیل دینے کی کوشش ناپید تھی۔ شبلی نے نہ صرف ان باتوں کو ترتیب دے کر ان میں نظم و ضبط پیدا کیا بلکہ مرثیہ کے فنی لوازمات کو سامنے رکھ کر اس کی حد بندی کی۔ یہی نہیں مرثیہ کے لئے ایسے اوضاع مقرر کئے جو مرثیے کے تمام صفات پر حاوی ہیں۔ شبلی کے مقرر کردہ مرثیہ کے تنقیدوں ، اصول اس قدر (Compact) ہیں کہ آج تک ان میں تبدیلی نہیں کی جا سکی، حالانکہ اس عرصے میں تنقید اور مرثیہ دونوں نے ارتقا کی کافی منزلیں طے کر لی ہیں۔ اس طرح موازنہ کو نہ صرف مطالعہ انیس کے سلسلے میں بلکہ صنف مرثیہ کے مطالعے کے سلسلے میں بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے"۔ (ایضاً ص ۱۴)

عزیز الدین خضری

سرزمین اعظم گڑھ کی خوش فکر شاعرہ تبسم اعظمی کے شعری مجموعے ''دھنک'' پر عزیز الدین خضری نے ابتدائیہ لکھا ہے۔ خضری صاحب جوش ملیح آبادی کے نواسے ہیں اور کراچی میں مقیم ہیں، شعر و ادب پر ان کی گہری نگاہ ہے۔ انھوں نے اپنی تحریر کا آغاز اعظم گڑھ اور علامہ شبلی کے ذکر سے کیا ہے اور علامہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

"شبلی علیہ الرحمہ نے برصغیر کے دور ابتلا میں یعنی ۱۸۵۷ء میں جنم لیا اور کہہ لیجئے تھوڑے ہی عرصے تقریباً تیس سال نا مساعد حالات میں علم و فن کی آبیاری کی اور وہ کچھ چھوڑ گئے، آج تک ان کے خوشہ چیں اس علم و ادب کو آگے بڑھانے میں مصروف کار ہیں۔ علم و ادب کا جو پودا شبلی نے لگایا تھا آج ایک تناور درخت بن کر اس نے اپنے سایہ تلے ایسے ایسے قلم کاروں کی نشو و نما کی کہ اردو ادب نازاں ہے۔"

(تبسم اعظمی، دھنک ص ۱۱، لکھنؤ، ۲۰۱۷ء)

شمیم کرھانی

(مہاتما گاندھی)

جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

ابھی اٹھ کے آئے ہیں بزمِ دعا سے
وطن کے لیے لو لگا کر خدا سے
ٹپکتی ہے روحانیت سی فضا سے
چلی آتی ہے رام کی دُھن ہوا سے
دُکھی آتما شانتی پا گئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

یہ گھیرے ہے کیوں رونے والوں کو ٹولی
خدارا سُناؤ نہ منحوس بولی
بھلا کون مارے گا باپو کو گولی
کوئی باپ کے خوں سے کھیلے گا ہولی
عبث مادرِ ہند شرما گئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

محبت کے جھنڈے کو گاڑا ہے اس نے
چمن کس کے دل کا اجاڑا ہے اس نے
گریبان اپنا ہی پھاڑا ہے اس نے
کسی کا بھلا کیا بگاڑا ہے اس نے
اسے تو ادا امن کی بھا گئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

ابھی اُٹھ کے خود وہ بٹھائے گا سب کو
لطیفے سُنا کر ہنسائے گا سب کو
سیاست کے نکتے بتائے گا سب کو
نئی روشنی پھر دکھائے گا سب کو
دلوں پر سیاہی سی کیوں چھا گئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

ابھی سندھ باچشمِ نم تک رہا ہے
لیے دل میں پنجاب غم تک رہا ہے
ابھی واردھا دم بہ دم تک رہا ہے
ابھی راستہ آشرم تک رہا ہے
مسافر کو رستے میں نیند آگئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

وہ سوئے گا کیوں جو ہے سب کو جگاتا
کبھی میٹھا سپنا نہیں اُس کو بھاتا
وہ آزاد بھارت کا ہے جنم داتا
اُٹھے گا نہ آنسو بہا دیس ماتا
اُداسی یہ کیوں بال بکھرا گئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

جفاؤں پہ خونِ جگر اپنا پیتا
وفاؤں کی دُنیا میں مرمر کے جیتا
جو اِک بات قرآں، تو اِک بات گیتا
ستم گا رہا ہے وہ مظلوم جیتا
زمانے پہ مظلومیت چھا گئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

وہ حق کے لیے تن کے اَڑ جانے والا
نشاں کی طرح رن میں گڑ جانے والا
نہتھا حکومت سے لڑ جانے والا
بسانے کی دُھن میں اُجڑ جانے والا
بنا ظلم کی جس سے تھرا گئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

دُکھی، بے سہارا، کسانوں کا والی
جفا کش، غریبوں کے چہرے کی لالی
وطن کے خزاں دیدہ گلشن کا مالی
وہی، گود جس کی تھی پھولوں سے خالی
تھکی روح کانٹوں میں غش کھا گئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

غلاموں کو جس نے بغاوت سکھائی
نئی سر فروشی کی جرأت سکھائی
سلیقے سے مرنے کی حکمت سکھائی
محبت کی طرزِ شہادت سکھائی
''اہنسا'' تشدد سے ٹکرا گئی ہے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ہے

مولانا حبیب الرحمن۔ حیدرآباد

نجات کا اٹل قانون

اور آل عمران ۱۶۹ میں ''اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ مت خیال کرو'' فرمایا گیا ہے۔ اس دوسری حالتِ موت کو ہم عالم برزخ کہتے ہیں جن میں حشر تک رہنا ہے۔

ان آیات کی بنا پر یہ کہنا کہ حالتِ موت میں صرف شہدا ہی زندہ ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ پہلی حالت میں ایمان لانے والے اور انکار کرنے والے دونوں قَالُوْا بَلٰی کا اقرار کئے ہیں۔ دوسرے نبی ﷺ اور دوسرے شہید نہیں ہوئے تو کیا ان حضرات کو زندگی سے محروم مانا جاسکتا ہے ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ دوسری حالتِ موت میں پہلی حالتِ موت کی طرح زندگی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المؤمن) ''آگ کے سامنے یہ (آل فرعون) ہر صبح وشام لائے جاتے ہیں اور جس دن حشر برپا ہوگا (حکم ہوگا) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں ڈالو''

اس قسم کی آیات کو قبر یا برزخ میں عذاب دیئے جانے یا عذاب ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان کے الفاظ کی بنا پر ان سے ایسا مطلب لینا یا نتیجہ اخذ کرنا جو قرآن کی دیگر آیتوں کے خلاف ہے، کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ مثلاً حشر کے دن فیصلے کے بعد اعمال کی جزا دینے کی بات نہ صرف بار بار بلکہ متعدد جگہ فرمائی گئی ہے، جس کو ہم سب بھی مانتے ہیں، مثلاً کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (آل عمران ۱۸۵) ''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور یقیناً تم کو پورا پورا بدل دیا جائے گا حشر کے دن'' دوسری اہم بات یہ ہے کہ قرآن میں گزرے ہوئے زمانوں اور آنے والے وقتوں کے متعلق جو باتیں فرمائی گئی ہیں وہ آیاتِ متشابہات ہیں جن کا صحیح وواقعی مطلب اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا ہے۔ ان پر غیب کی طرح ایمان لانا ہے۔ ان کا مطلب آیاتِ محکمات کے خلاف لینا دل کا ٹیڑھا پن ہے فرمایا گیا (آل عمران ۷) اور دنیا میں کوئی بھی عدالت فیصلہ کرنے سے پہلے ملزم کو سزا نہیں دیتی۔ لیکن فیصلے سے پہلے عذاب دینے کی صریحاً غلط بات ہم اللہ کی طرف منسوب کررہے ہیں۔

یہ وہی دوسری حالتِ موت کے بارے میں شیطان، ایمان والوں کو جھوٹے عقائد میں مبتلا کرکے مستحقِ دوزخ بنانے کی کوشش کررہا ہے۔ مثلاً موت کے بعد پھر کوئی زندگی نہیں، دنیا ہی کی زندگی سب کچھ ہے، اگر زندگی ہے بھی تو وہ روحانی ہوگی۔ پیر، پیغمبر دنیا والوں کی پکار سنتے ہیں، ان کی بگڑی بناتے ہیں، اللہ کے پاس سفارش کرتے ہیں، قبر میں سوال ہوتا ہے وغیرہ۔

غور کیجئے امتحان ہال میں سوالات کے جواب دینا پڑتا ہے۔ ہال سے نکلنے (موت) کے بعد نہیں۔ دوسرے امتحان کی مقررہ مدت میں جوابات دینا یا لکھنا ہے۔ مقررہ مدت ختم ہونے کے بعد سوال کئے جانے کی بات کیا صحیح ہوسکتی

ہے۔غور کیا جا سکتا ہے۔

دنیا والوں کی پکار سننے، ان کی بگڑی بنانے اور مدد کرنے کے معاملے میں پیر، پیغمبر بالکلیہ لاش کی طرح ہیں جو نہ سنتی، نہ دیکھتی، نہ کوئی اختیار و علم رکھتی ہے۔ اور ان پیر، پیغمبر کو زندہ کر کے دوبارہ کب اٹھایا جائے گا نہیں جانتے۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (النحل) ''مردے ہیں زندے نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جائیں گے''۔

اللہ کے رسول ﷺ بھی پاک (سبحان) نہیں کیونکہ آپ بشر ہیں۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل) ''اے پیغمبر! تم کہہ دو کہ میرا پروردگار ہر قسم کے عیب و کمزوری سے قطعی پاک ہے، میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنا گیا ہے'' یہی بات الکہف ۱۱۰، حم السجدہ ۶ میں کہی گئی ہے۔ آپؐ کے لیے بھی عام اہل ایمان کی طرح غسل، وضو تیمم کے ذریعہ طہارت حاصل کرنا فرض تھا۔ آپ کا ذکرِ کثیر توبہ و استغفار تھا، جس کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (المومنون) ''اور اے نبی تم کہا کرو میرے رب مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور تو تمام رحم کرنے والوں میں سے بہتر رحم کرنے والا ہے''۔

یہی ہدایات المومن ۵۵، محمد ۱۹، النصر ۳ میں بھی ہے۔ البتہ پیغمبر معصوم ہیں تمام بزرگ غیر معصوم ہیں۔ آخری کتاب ہدایت آپؐ پر نازل ہونے سے آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد ہر دعویدارِ نبوت چاہے وہ ظلی ہو یا بزوری جھوٹا و فریبی ہے۔ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے رحمتِ الٰہی کا مستحق بننے کی تعلیمات چونکہ آپؐ کے ذریعہ دنیا میں بھیجی گئیں، اس لیے آپ کو رحمۃ اللعالمین فرمایا گیا ہے۔ آپ کا اسوۂ حسنہ بندگی رب کا بہترین نمونہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے عبادت، ذکر و یاد، ثواب کے کاموں میں آپؐ کی پیروی (واتباع) کرنے کا اور زندگی کے دیگر اُمور میں آپؐ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے آپؐ کی ہدایات پر عمل کرنا ہی یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعہ ہی رحمتِ الٰہی کا مستحق بنا جا سکتا ہے۔

بدعت

اتباع و اطاعت کے اُمور کو گڈمڈ کرنے سے بدعات جنم لیتی ہیں۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی اچھی، بری نہیں ہو سکتی بلکہ سنگین اور ہلکی ہوتی ہے۔ اس لیے بدعت کو حسنہ و سیۂ میں تقسیم کرنا قطعاً غلط ہے، کیونکہ بدعت بعثتِ رسولؐ کی ضرورت کی نفی کرتی ہے۔ سیدنا عمرؓ کا تراویح باجماعت کو بدعتِ حسنہ کہنے کی بات زہری کی مرسلات میں سے ہے جو جھوٹی ہیں۔ کیونکہ اللہ کے رسولؐ سے ایک یا تین دن نماز تراویح باجماعت ادا کرنا مسلمہ ہے۔ سنتِ رسول کو بدعتِ حسنہ کہنا سیدنا عمرؓ جیسے بصیرت والے صحابی سے ممکن نہیں۔

یہود و نصاریٰ کا اپنے پیر، پیغمبر کو عَيْنُ اللہ (المائدہ ۱۷، ۷۲) اِبْنُ اللّٰہِ (التوبہ ۳۰) اور اپنے عالموں اور مرشدوں کو اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ ۳۱) ''ان لوگوں (اہل کتاب) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنایا ہے'' اور بت پرستی اپنے دیوی دیوتاؤں کو اللہ کے پاس سفارش کرنے والے سمجھتے ہیں وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس ۱۸) ''اور یہ کہتے ہیں کہ یہ (بزرگانِ دین اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں''۔

مولانا نجم الدین احیائی ؒ ناظم دائرۃ المصنفین مبارک پور اعظم گڑھ (اتر پردیش)

قاضی اطہر مبارکپوری اور میں

آج سے تقریباً پچیس سال پہلے جب میں جامعہ احیاء العلوم کا ایک طالب علم تھا۔ تو مجھے ایک جملہ سنائی پڑتا:۔

''قاضی صاحب آرہے ہیں''

کہنے والے تھے جامعہ کے ایک محترم استاذ، میری نگاہیں اٹھیں، راقم، ابھی نیا نیا دیہات سے اس قصبہ میں آیا تھا۔ معمولی تعلیم، مذہبی دنیا اور اس کی شخصیات سے نا واقف، بڑائی، بزرگی، تقدس، علم وفضل، مقام ومرتبہ کا معیار ذہن میں کچھ یوں ہی تھا کہ بڑا عالم اور بزرگ وہی ہوتا ہے جو تن وتوش کا اچھا خاصہ ہو، جس کے بدن پر عبا ہو، اور سر پر عمامہ، ہاتھوں میں موٹا ڈنڈا ہو یا چھڑی مگر یہاں جس آدمی پر نگاہ پڑی اس میں بزرگی کی ایک بھی علامت نہ تھی۔

وہ آدمی بڑے اطمینان سے آرہا تھا۔ اس کی رفتار میں نہ کوئی تکلف تھا نہ بناوٹ، اس کی چال میں نہ کوئی رعونت تھی اور نہ تو صوفیانہ مسکنت ہی، وہ نہ پستہ قد تھا۔ نہ بہت لمبا، موٹا نہ دبلا نہ کالا نہ گورا چٹا، کرتا، پاجامہ، اور مبارک پور کی مخصوص ٹوپی میں ملبوس ایک عجیب شان سے وہ آدمی میرے سامنے آچکا تھا۔ اساتذہ مصافحہ کر رہے تھے۔ لڑکے مل رہے تھے۔ اور وہ آدمی بلا تکلف نام لے لے کر سب کی خیریت پوچھتا جاتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اس نے چنگی وصول کرنے والے شکر اللہ چچا کی خیریت بھی انھیں کی زبان میں پوچھ ڈالی۔ میں حیرت زدہ تھا۔ یا الٰہی!

یہ کون قاضی صاحب آگئے کہا اس سیکولر ہندوستان میں بھی قاضی پائے جاتے ہیں۔ یہ تو کبھی اسلامی حکومت میں ہوا کرتے تھے۔

طالب علم تو طالب علم، کانا پھوسی کے بعد نام ڈھونڈھ نکالا۔ یہ تھے حضرت مولانا قاضی عبدالحفیظ صاحب اطہر مبارک پوری ایڈیٹر البلاغ بمبئی، نام کی لمبائی اور پھر ایڈیٹر کے لفظ نے عبا، قبا، شیروانی، عمامہ اور چھڑی کی کمی پوری کردی تھی مگر اس مبارک پوری قاضی کو اپنے نام کی یہ لمبائی بھی گوارا نہ ہوئی۔ اور اس نے اپنے لئے یہی پسند کیا کہ ہند وپاک اور بیرون ہند میں مشہور ہو تو صرف قاضی اطہر مبارکپوری کے نام سے۔

یہ خالص دیہاتی جسے ابھی اپنے گاؤں سے آئے ہوئے دو تین سال ہوئے تھے۔ کہاں جرأت کرسکتا تھا کہ اتنے بڑے عالم کے سامنے منہ کھولے، ابھی تو حال یہ تھا اردو کا ایک صحیح جملہ بولتے ہوئے بھی پسینہ آجاتا تھا۔ بس زیارت ہی زیارت رہی۔ لیکن ذہن میں یہ بات بھرگئی کہ کچھ ہونے کے لئے صرف کتابوں کے رٹنے سے کام نہ چلے گا۔ کچھ قلم بھی چلنا چاہئے۔ ایک تیسری چوتھی جماعت کے طالب علم کے دماغ میں یہ بات آجانی بھی بہت معمولی بات نہ تھی۔ یہ تھی اس نئے دور کے قاضی کے فیوض وبرکات کی پہلی قسط۔

مگر عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے والا طالب علم کیا لکھتا؟ وہ بھی ایک گنوار جسے شہری تہذیب وتمدن، اور

بول چال کی ہوا بھی نہ لگی ہو، جسے اخبارات و رسائل و مجلّات کے نام بھی معلوم نہ ہوں ، جس نے کچھ اردو ریڈریں، قصے، کہانیوں کی کتابیں دو چار صادق سردھنوی کی ناولیں اور بوڑھیوں سے ایک تھا بادشاہ، ایک تھے راجہ،جیسی کہانیاں سنی ہوں وہ کچھ لکھے تو کیسے لکھے۔

یہ تھا ایک اہم سوال مگر بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق اور عقل محو تماشا ہی رہ گئی قلم اٹھ گیا، اور پھر وہی ہوا جو ہوتا ہے۔ایک افسانچہ اور نماز پر ایک ٹوٹا پھوٹا مضمون تیار ہوگیا اب چھپنے کی تڑپ، اور ایک طرف کمتری اور کہتری کا احساس، کسے دکھائے؟ کسے سنائے؟ کس سے اصلاح لے؟ افسانچہ تو دکھایا جناب محشر اعظمی نظام آبادی کو اتفاقاً آگئے تھے اور مضمون لیکر قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ڈرا، ڈرا، سہا ہوا، شرمندہ، جھینپا ہوا ڈانٹے جانے کے خیال سے پسینہ پسینہ،عرض مدعا کرے تو کیسے؟ کہے تو کیا؟ کن الفاظ میں کہے؟ جی چاہا کہ واپس چلوں، مگر پھر جاؤں کہاں؟ مبارک پور کی مبارک سرزمین اپنے لئے اس اعتبار سے کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھی۔اپنی نگاہ میں ایک ہی شجر سایہ دار تھا۔اسے چھوڑ کر بھاگوں تو کہاں ؟ایک ہی چشمہ سامنے تھا۔جس سے پیاس بجھائی جاسکے اگر اس سے منہ پھیروں تو کون سا چشمہ تلاش کروں۔ایک کشمکش تھی، عجب قسم کا جذباتی ہیجان تھا، خیالات کے تموج سے ذہن الجھ رہا تھا کہ اچانک باد بہاری چلی، غنچہ مراد کھل گیا اور قاضی صاحب مسکرائے۔اور مخصوص لہجہ میں مخاطب ہوئے۔جس میں بے پناہ اپنائیت تھی، خلوص تھا، مٹھاس تھی۔

بس اب قلعہ فتح ہو چکا تھا۔اب عرض مدعا کرنے میں کسے تکلف ہوتا؟! مضمون سامنے رکھ دیا۔ روکھے پھیکے الفاظ، نماز جیسا خشک موضوع۔ایک دیہاتی کے قلم سے نکلی ہوئی ناہموار عبارت مگر قاضی صاحب مسکراتے رہے، اور ان کا قلم چل پڑا اور چلتا رہا۔اس کے ساتھ ہدایتیں بھی شروع ہوگئیں۔اور چند منٹوں میں مضمون کی اصلاح ہوگئی۔پہلی گرفت مجھے اب تک یاد ہے کہ میں نے رحمت اور رفعت کو عربی رسم الخط میں گول ۃ سے لکھا تھا۔قاضی صاحب نے اسے اردو رسم الخط میں لکھا۔اور فرمایا کہ یہ مضمون اردو میں ہے عربی میں نہیں۔

وقت گذرتا رہا۔قاضی صاحب سے ملتا رہا۔ان کی مہمان نوازی بلکہ غریب نوازی اور طلبہ نوازی سے بارہا لطف اندوز ہوا، مگر اس کے بعد نوبت نہ آسکی کہ کوئی مضمون دکھاؤں۔البتہ اس تعلق سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ ماہنامے اور کتابیں بھی نظر سے گذری ہیں جو شاید ایک طالب علم کو نصیب نہ ہوتیں۔اور وہ باتیں سننے کو ملیں جو درس و تدریس، تعلیم و تعلم کی دنیا کے لئے اجنبی تھیں۔

دارالعلوم دیوبند سے واپسی کے بعد حالات نے پلٹا کھایا۔اور میری صحت اس درجہ گر گئی کہ آخر علاج کے لئے بمبئی جانا پڑا، وہاں پہلی بار قاضی صاحب کی خصوصی اہمیت کا احساس ہوا،اس لئے نہیں کہ قاضی صاحب ''البلاغ'' کے ایڈیٹر تھے،اس لئے بھی نہیں کہ قاضی صاحب روزنامہ ''انقلاب'' کے ہندی کالم کے روح رواں تھے۔اس لئے بھی نہیں کہ اس کی مالی حالت اب کچھ اچھی ہوچکی تھی۔اس لئے بھی نہیں کہ اس کی بڑی عزت تھی، وقار تھا، رعب تھا، بڑی بڑی شخصیتیں ملنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔اس لئے بھی نہیں کہ قاضی صاحب کا وہاں بڑا اثر و

رسوخ یارائج الوقت زبان میں بڑا ''شورس'' تھا اور وہاں اسلئے بھی نہیں کہ قاضی صاحب وہاں میری بڑی امداد فرمائی تھی۔ کیونکہ ذہن وفکر کی پختگی نے میرے لئے ان چیزوں کی اہمیت کم کر دی تھی۔ پھر وہ کیا چیز تھی۔وہ تھا قاضی صاحب کا علمی ذوق،عروس البلاد بمبئی کی باہمی،شور و شغف،اور مشینی زندگی میں قاضی صاحب کا مرکزی علمی ایک جزیرہ تھا یہاں ہنگاموں کی موجیں حملہ آور ہوتیں اور سر پٹک کر واپس ہو جاتیں ۔اور جزیرہ کی باسی اپنے کام میں منہمک رہتے۔جن لوگوں کو بمبئی اور اس کا ماحول، رہن سہن،وہاں کے شب و روز کا علم نہ ہوگا وہ شاید اس کا احساس نہ کرسکیں کہ وہاں علمی کام کتنا مشکل ہے۔

جہاں پر آدمی روپئے کی تلاش میں دوڑ رہا ہے۔جہاں انگوٹھی چھاپ بھی چند مہینوں میں موقعہ پاتے ہی سیٹھ بن جاتے ہیں ۔یہاں کسی کو بات کرنے کی فرصت نہیں جہاں دولت کمانے کی ہوس اس درجہ ترقی کرگئی ہے کہ انسان تمام روایات و اقدار کا خون کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔وہاں شمالی ہند کا رہنے والا ایک انسان بیٹھ کر عرب و ہند تعلقات پر اتنا مواد فراہم کر دے کہ جس کے اگلے اور پچھلے محققین انگشت بدنداں رہ جائیں ۔اسے ایک عجوبہ اور بزرگوں کی اصلاح میں ''کرامت'' اور ایک ایسے صوفی کی کرامت کیوں نہ کہا جائے جس نے ایک دن بھی خرقۂ صوفیت پہننا گوارا نہ کیا ہو۔

دارالعلوم کے کتب خانوں میں رہ کر، بڑی بڑی لائبریریوں، دانش گاہوں میں بیٹھ کر علمی کتابیں لکھنا آسان ہے، جہاں پر محرم کی سہولتیں، آسائشیں مہیا رہتی ہیں جہاں مواد کی فراہمی چند منٹ میں ہوسکتی ہے جہاں علمی بحث و مباحثہ اور فکری تبادلۂ خیال کے لئے اہل علم موجود رہتے ہیں۔وہاں کام کرنا آسان ہے۔لیکن ایسی جگہ جہاں ایک آدمی بھی اپنے ذوق کا نہ ہو کوئی علمی ماحول نہ ہو،کوئی محرک نہ ہو،کوئی معاون و مددگار تو الگ رہا کوئی ایسا بھی نہ ہو جو کتابوں کے حوالے نقل کر دے۔ایسی جگہ قاضی صاحب نے جو تحقیقی مقالے، کتابیں۔سپرد قلم فرمائی ہیں اس کی اہمیت کا احساس نہ کرنا کسی حادثہ سے کم نہ ہوگا۔

اور میرا خیال ہے کہ یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب ہر حلقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ دارالمصنفین اعظم گڈھ کے ترجمان ''معارف'' ندوۃ المصنفین کے ترجمان ''برہان'' کے قارئین قاضی صاحب کے پُرمغز مقالات کے منتظر رہتے ہیں۔ ہند اور بیرون ہند کے بہت سے ادارے آپ کی عربی اور اردو تصنیفات کچھ تو اجازت کے ساتھ اور کچھ بلا اجازت شائع کر چکے ہیں۔ اس لئے پتا چلتا ہے کہ یہ کتابیں کافی پسند کی جاتی ہیں۔اور ان کی بڑی مانگ ہے۔لیکن یہ عجیب بات ہے کہ علمی حیثیت سے اتنی ترقی کے باوجود قاضی صاحب اپنے وطن میں اجنبی ہی رہے۔ان کی اہمیت کا احساس صرف چند گنے چنے لوگوں کو تھا۔

میں نے جب درس وتدریس کی بساط لپیٹی۔اور ایک نئی دنیا میں قدم رکھنا چاہا تو اس کے لئے میں نے مبارک پور کو چنا اور میں نے سوچا کہ مبارک پور کی مبارک سرزمین ایک ایسی جگہ ہے جہاں رہ کر علمی کام کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ آج سے دس سال پہلے یہاں ایک علمی ادارہ کا پروگرام بنایا۔اور میں نے قاضی صاحب سے بھی اس کی سرپرستی کے لئے عرض کیا۔جسے انہوں نے قبول فرمایا۔

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد میں مولانا محمد خورشید انور قاسمی پرنسپل جامعہ مظہر العلوم بنارس یوپی اور مشہور ادیب مولانا ضیاء الحق خیرآبادی کی تشریف آوری پر مدرسہ کے ناظم مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد شکریہ کے ساتھ پیش کرتے ہوئے۔

چنانچہ مبارک پور میں سب سے پہلے جس ادارہ نے اپنی مطبوعات کی بسم اللہ قاضی صاحب کی کتاب ''تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں'' سے کی وہ دائرۃ المصنفین مبارک پور تھا۔ قاضی صاحب نے اس وقت کہا تھا اور بجا کہا تھا۔

''میری کتابیں دوسرے ناشرین شائع کرتے ہیں مگر میرے وطن میں میری کتاب کا چھپ جانا میرے لئے بڑی مسرت کی بات ہے۔''

واقعہ ہے کہ انسان باہر ہی مشہور ہوتا ہے۔ پھول چمن سے نکل جاتا ہے تب ہی اس کی اہمیت بڑھتی ہے۔ گھر کی مرغی کی اہمیت لوگوں کو نہیں ہوتی۔ مگر قاضی صاحب نے اپنی بے پناہ محنت، خلوص، لگن، محبت کی وجہ سے گھر اور باہر دونوں جگہ اپنا لوہا منوایا۔ اور آج ہمارا یہ استقبالیہ جلسہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے۔

آپ تعجب کریں گے کہ استقبالیہ نہ تو اس مدرسہ کی طرف سے ہے جہاں قاضی صاحب نے پڑھا اور بڑھایا۔ اور نہ تو اس جماعت کی طرف سے ہے جس کے آپ ایک فرد ہیں اور نہ اس ادارہ دائرۃ المصنفین مبارک پور کی طرف سے ہے جس نے آپ کی کتاب ''تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں'' شائع کی۔ بلکہ یہاں کے نوجوانوں کی ایک انجمن دبستان ادیب نے یہ بزم سجائی ہے۔ جس کے لئے وہ لائق مبارک باد ہیں اور ہماری طرف سے ہدیۂ تشکر کے مستحق۔

''قاضی صاحب آرہے ہیں'' سے جس قلم نے اس مضمون کی بسم اللہ کی تھی وہی قلم آخر میں آپ کو پھر بتارہا ہے کہ ''قاضی صاحب آرہے ہیں'' مگر کہاں سے؟ مشرق وسطی اور افریقہ کی سرزمین سے، انھوں نے وہاں کیا دیکھا؟ کیا سنا؟ کون سے علمی تحائف حاصل کیئے؟ کہاں کہاں گئے؟ کن علمی شخصیتوں سے ملے؟ قاضی صاحب کے تاثرات کیا رہے؟ ہمیں امید ہے کہ آج قاضی صاحب کا یہ تحفہ انشاء اللہ اہل علم کے لئے بہت ہی قیمتی ہو گا۔ امید ہے کہ قاضی صاحب اس مسئلہ پر فوری توجہ کرینگے۔ جیسا کہ انھوں نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے

میں نے مجمع عام میں یہ راز کی بات کہہ دی تا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ (8.6.1978)

ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی۔ایسوسی ایٹ پروفیسر عین شمس یونیورسٹی قاہرہ (مصر)

مصر کے تاریخی شہر اسکندریہ میں
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی درگاہ

تاریخ میں مصر کا ایک خاص مقام رہا ہے۔ یہاں اسلامی فتح کے بعد اہم مجاہدین اسلام اور عظیم اسلامی شخصیتیں گزری ہیں۔ یہ لوگ اسلام کی تعلیمات کے فروغ کے لئے اندلس کے ممالک اور مغربی عرب سے آتے تھے۔ ان میں کچھ صوفیا کرام مصر کے مختلف صوبوں میں رہائش پذیر رہے اور کچھ دمشق وغیرہ میں منتقل ہوگئے۔ مصر کا تاریخی شہر اسکندریہ ان عظیم اسلامی شخصیات اور اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کا اہم مرکز رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں، بہت سے داعیان اسلام آسودہ خاک ہیں اور ان کے مزارات وخانقاہیں بڑی تعداد میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان سے عقیدت اور محبت کرنے والے لوگ کثیر تعداد میں ان درگاہوں اور خانقاہوں میں فیض و برکت حاصل کرنے کے لئے دور دور سے چلے آتے ہیں۔ ان مشہور زیارت گاہوں میں کچھ ایسی بھی ہیں، جنھیں ان بزرگوں کی یادگار کے طور پر بنایا اور تعمیر کیا گیا ہے۔ فاطمیہ دور میں یہ بات، بہت عام تھی کہ اللہ کے نیک بندوں میں سے ایک بندہ اپنے خواب میں کسی ولی اللہ کا دیدار کرتا تھا، چنانچہ اس دیدار کو عملی جامہ پہنایا جاتا اور اس ولی کے نام سے کسی مزار یا مسجد کو ایک یادگار کے طور پر تعمیر کیا جاتا۔ لیکن یہ اصل قبر نہیں ہوتی ہے، جہاں کسی ولی اللہ کو اس میں دفن کیا گیا تھا۔ جبکہ بزرگوں کی یاد دلانے کے لئے وہ صرف ایک یادگار ہوتی ہے۔

اسکندریہ کے مغرب میں لبان کے علاقے میں معروف صحابی، زاہد اور صوفی بزرگ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک درگاہ واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حقیقتاً یہاں کوئی مدفون نہیں ہے، لیکن دور قدیم میں اسکندریہ کے لوگوں نے اپنے شہر میں ایک ایسی یادگار بنوائی تھی، جہاں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ طلباء اور لوگوں کو فقہ، حدیث اور قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ جگہ اب تک موجود ہے، جو حضرت ابوالدرداء کے نام اور ان کی یاد اور احترام میں تعمیر کی گئی تھی۔ اب یہ اہل اسکندریہ کی سعادت و احترام کا مقام بن گیا ہے۔ چونکہ وہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے کردار کی قدر کرتے ہیں، اس لئے ان کی یاد میں ہر سال ایک جشن بھی مناتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پیروکار مصر کے تمام صوبوں سے ان کی درگاہ پر تشریف لاتے ہیں۔

اسکندریہ میں حضرت ابو الدرداء کی درگاہ مصر میں ایوبی ریاست کے دور میں قائم ہوئی تھی، یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو ٹرام پٹریوں کے وسط میں نمایاں ہے۔ یہ ایک مستطیل عمارت ہے، جس کے درمیان راہداری ہے جو مستطیل کو مشرقی اور مغربی حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ راہداری سے پہلے ایک بڑا نیم سرکلر محراب لگا ہوا ہے، جو ماربل کے دو متصل ستونوں پر مشتمل ہے اور ایک قبرستان مشرقی اور مغربی حصوں کو تقسیم کرتا ہے، جس کا نام ابوالدرداء ہے۔ اس عمارت کو باہر اور اندر سے خوبصورت اسلامی نقوش سے سجایا گیا ہے۔ درگاہ کی موجودہ شکل کو شہزادہ عمر طوسون نے تعمیر کیا تھا، جس نے خاص طور پر اسکندریہ شہر کی

دیکھ بھال کی تھی۔ شہر میں پورے علاقوں کو قائم کرنے کے لئے اطالوی انجینئر ز کی مدد لی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اسلام کی دعوت اور فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، تاکہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو عام کیا جاسکے۔ دمشق میں لوگوں کو تعلیم دینے کے بعد آپ مصر کی فتح کے لئے اسلامی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے، آپ ان عظیم صحابہ اور رہنماؤں میں سے تھے جنہوں نے ۱۲ ہجری، ۱۴۶ء میں اسکندریہ کی فتح میں حصہ لیا تھا۔ اسکندریہ میں آپ اپنے مختصر قیام کے دوران لوگوں کو ایک جگہ پر فقہ اور حدیث کا درس دیتے تھے۔ اسکندریہ کے لوگوں کی تعلیم دینے کے برسوں کے بعد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ وہاں ان کی وفات ہوئی اور وہیں انہیں دفن کیا گیا۔ لیکن اسکندریہ کے عوام کا ماننا ہے کہ ان کا انتقال اسکندریہ شہر میں ہوا اور اس یادگار درگاہ میں ہی ان کو دفن کیا گیا ہے، جو ان کے لئے تعمیر کیا گیا۔ اور نسل در نسل بہت سارے عقائد اور حضرت ابوالدرداء کے کرامات وراثت میں ملے۔ وہ حضرت ابوالدرداء سے وابستہ کہانیاں اور داستانیں دہراتے ہیں۔

اس یادگار درگاہ سے کچھ واقعات بھی جڑے ہوئے ہیں، جنہیں اسکندریہ کے عوام دہراتے ہیں۔ اس میں کچھ کرامات بھی وابستہ ہیں، اس لئے عوام حضرت ابوالدرداء کو کرامات کے مالک بلاتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء سے منسوب ہونے والی کرامات میں سے ایک ایسا واقعہ ہے جو زبان کے ذریعہ مصر کے مختلف صوبوں میں نہ صرف اسکندریہ شہر میں پھیل گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ دوسری عالمی جنگ عظیم کے دوران ایک جرمن جنگی جہاز نے حضرت ابوالدرداء کی درگاہ کے ارد گرد ایک بہت بڑا ٹارپیڈو پھینک دیا تھا۔ اس علاقے کے گھروں اور دکانوں کے مکینوں نے اس وقت تصدیق کی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خدا کے نیک بندے حضرت ابوالدرداء، جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے، اپنی درگاہ سے اٹھے، پھر درگاہ کے اوپر چڑھے اور محلے کے لوگوں کو بچانے کے لئے لپٹ گئے۔ انہوں نے اپنے بازو سے اس ٹارپیڈو کو اٹھا کر زمین پر پھینک دیا۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اس ٹارپیڈو کو روک لیا، تاکہ وہ دوبارہ سمندر کی طرف لوٹ جائے جہاں سے وہ آیا تھا۔ اسی حوالے سے ایک اور دلچسپ کہانی یہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران ایک یونانی خواجہ چھاپوں کی آواز پر اپنی نیند سے بیدار ہوا، تو وہ جلدی سے اپنی عمارت چھوڑنے کے لئے نیچے چلا گیا پھر اس نے دیکھا ہے کہ اس کی عمارت کے سامنے واقع حضرت ابوالدرداء کی درگاہ سے ایک سفید سایہ نکل رہا ہے، اور اس علاقے کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھوں سے بموں کو پسپا کرتا ہے اور علاقہ میں کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔ پھر جو خواجہ نے دیکھا، اسے لوگوں کے سامنے بیان کیا اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔

ٹرام کی پٹریوں کے درمیان واقع درگاہ کے بارے میں ایک اور کہانی یہ ہے کہ چالیس کی دہائی میں علاقہ کے ذمہ داروں نے ٹرام لائن کے وسط میں واقع درگاہ کو ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ اسے دوسری جگہ منتقل کرنے کا ارادہ تھا، کیونکہ یہ درگاہ ٹریفک میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ جیسے ہی ایک کارکن نے درگاہ کو منہدم کرنا شروع کیا تو اس کارکن کا بازو مفلوج اور مکمل طور پر بے بس ہو گیا۔ اسے دیکھ کر باقی کارکنان نے کام چھوڑ دیا۔ ایک اور روایت میں کہا گیا ہے

کہ درگاہ کے انہدام میں استعمال ہونے والے تمام کھدائی اور لوڈرز درگاہ کو چھونے کے ساتھ ہی ٹوٹ پڑے اور درگاہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، گویا کہ حضرت ابوالدرداء نے اپنی میت کو منتقل کرنے سے انکار کر دیا، لہذا محلے کے ذمہ داروں نے پھر فیصلہ پر عمل درآمد نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح اسکندریہ کے عوام نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی فیوض و برکات کے بارے میں بہت سارے راز رکھتے ہیں اور بہت سی کہانیاں ان کی عظمت کی دہراتے ہیں۔ ان سے مافوق الفطرت واقعات سے جوڑتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء کی درگاہ کی تعمیر سے اب تک یکم رمضان المبارک سے چھ رمضان کی اختتامی رات تک حضرت ابوالدرداء کے جشن ولادت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان کی درگاہ کو پھولوں، برقی لیمپوں اور قمقموں سے سجایا جاتا ہے۔ اس درگاہ کے باہر لوگ جشن مناتے ہیں۔ درگاہ کے سامنے پویلین میں مذہبی تقاریب، مذہبی نغمے اور ذکر کی محفلیں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ مشہور قراء حضرات قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔ لوگ یہی جملے دہراتے ہیں کہ ”اے ہمارے آقا۔ آپ کی مدد“ ”اے ہمارے آقا۔ آپ کے احسانات“ ”اے آل البیت۔ مدد“۔ حضرت ابوالدرداء کے جشن ولادت کی محفل میں بچے بھی بہت خوش ہوتے ہیں جو جھولوں پر سوار ہوتے ہیں، دکانوں سے مٹھائیاں خریدتے ہیں۔ بچے ہر سال اس محفل کو منانے کا انتظار کیا کرتے ہیں۔ آخر میں اگرچہ یہ درگاہ جس کا بیس میٹر سے زیادہ کا رقبہ نہیں ہے اور جس میں حضرت ابوالدرداء کو دفنایا نہیں گیا ہے لیکن اس درگاہ کو یادگار کے طور پر اس کی تعظیم و احترام کیا جاتا ہے۔ وہاں سے گزرنے والے شہری اور ٹرام میں سواری کرنے والے اپنے سر کو بائیں اور دائیں ہلا دینے کا اشارہ کیا کرتے ہیں اور دہراتے ہیں کہ ”میرے آقا ابو الدرداء۔ آپ کی مدد“۔ یہ سچ ہے کہ اہل اسکندریہ خاص طور پر عوام غیر معمولی شخصیات سے محبت کرتے ہیں جو مذہب سے منسلک ہوتے ہیں۔ ان کو لگتا ہے کہ یہ ان کے لئے زندگی کی مشکلات کو برداشت کرنے کا ایک مضبوط طریقہ ہے۔

یوسف روش۔ حیدرآباد

تہنیت

رحمٰن جامؔی آپ کے اوصاف بے شمار
شعر و سخن میں آپ کو جو مرتبہ ملا
گویا ملا ہے آپ کی خدمات کا صلہ
عشق نبیؐ سے نعمتوں کا روشن ہے سلسلہ
پرنور شاعری کے ہیں اثرات خوشگوار
رحمٰن جامؔی آپ کے اوصاف بے شمار
جام انا، خمار، سبو، ارغن و نشہ
کیف و سرور، بے خودی دو آبہ میکدہ
قسطاط،، فے و ساقیا سب کا اثر جدا
اعزاز زندگی میں ملے اور شان دار
رحمٰن جامؔی آپ کے اوصاف بے شمار
عبدالعلیم کی یہ دعاؤں کا تھا اثر
دنیا بدل گئی تو ملا نعت کا ہنر
تو بہ خلوص دل سے لے آئی نبیؐ کے در
کی ہے ثنا نبیؐ کی عقیدت سے بار بار
رحمٰن جامؔی آپ کے اوصاف بے شمار

ترجمہ: ڈاکٹر سید عابد حسین

مہاتما گاندھی کے زرّیں اقوال

محبت کی طاقت عدم تشدد

۱) ناروا داری ایک قسم کا تشدد ہے اس لیے ہمارے مسلک کے خلاف ہے۔

۲) نفرت کا نتیجہ کبھی انصاف نہیں ہوتا، بلکہ بدلہ لینا ہوتا ہے، یعنی اندھا جذبہ۔

۳) جو لوگ اپنی خوشی سے مصیبتوں کی راہ سے گذرتے ہیں وہ اپنے آپ کو اور تمام انسانیت کو بلند کرتے ہیں۔

۴) عدم تشدد کے حامی کو صرف ایک ہی خوف ہوتا ہے، یعنی خوفِ خدا۔

۵) میں مَردوں کے مقابلہ میں عورتوں سے زیادہ محبت ااور برداشت کی امید کرتا ہوں۔

۶) جیو اور جینے دو کیونکہ باہمی برداشت اور رواداری قانونِ حیات ہے۔

۷) نفرت سے نفرت کرنے والے کو نقصان پہونچتا ہے۔ اُسے نہیں جس سے نفرت کی جائے۔

۸) اہنسا ایک ملانے والی طاقت ہے۔ وہ کثرت میں وحدت دیکھتی ہے۔

۹) میرا یہ عقیدہ ہے کہ تشدد کے ذریعہ کوئی دیرپا تعمیر نہیں ہو سکتی۔

۱۰) اگر ہم کسی مقصد کے لیے اپنی جان کھپانے کو تیار ہوں تو روپیہ کوئی چیز نہیں۔

۱۱) عدم تشدد کی لڑائی ہمیشہ معاہدے پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں مخالف کی ذلت بہت کم ہوتی ہے۔

۱۲) حقیقت مصیبت اگر بہادری سے اٹھائی جائے تو پتھر کے دل کو بھی پگھلا دیتی ہے۔

۱۳) راہ راست کا پہلا اصول یہ ہے کہ سچ کہا جائے، سچ سوچا جائے اور سچ پر عمل کیا جائے۔

۱۴) کچھ بھی کرو لیکن اپنے لیے اور دنیا کے لیے سچے رہو۔

۱۵) اگر نیک نیتی سے دعا کے ساتھ کوشش کی جائے تو وہ کبھی بیکار نہیں جاتی۔ انسان کا کام صرف کوشش کرنا ہے۔ نتیجہ خدا کے ہاتھ ہے۔

۱۶) میرا خدا وہی خدا ہے جو کروڑوں بے زبانوں کے دل میں ہے۔

۱۷) دعا صدائے انکسار ہے پاکیزگی اور اندرونی تلاش صلوٰۃ ہے۔

۱۸) آؤ ہم خدا سے ڈریں تا کہ انسان کا خون باقی نہ رہ جائے۔

۱۹) آج ہمارے لیے کوئی قربانی اس سے بلند نہیں کہ اونچ نیچ کا بھید بھول جائیں اور تمام انسانوں کی برابری کا احساس کریں۔

۲۰) میرا مذہب بتاتا ہے کہ جو قربانیوں کے لیے تیار ہے وہی دعا کر سکتا ہے۔

۲۱) بت پرستی مناسب پرستش نہیں۔ بُت کے اندر کے خدا کو پوجو۔

۲۲) اعتقاد کے بغیر انسان کی مثال اس قطرۂ بے آب کی سی

ہے جو سمندر کے باہر پھینک دیا جائے اس کو تباہ ہی ہونا ہے۔
۲۳) خدا تمام نیک دید کا حساب رکھتا ہے دنیا میں اس سے بہتر محاسب نہیں۔
۲۴) خدا بادلوں میں رہنے والی طاقت نہیں۔ خدا وہ غیر مشہور طاقت ہے جو ہمارے اندر رہتی ہے اور جتنا ناخن گوشت سے قریب ہے ان سے بھی زیادہ قریب ہے۔
۲۵) جب تک میں اپنے مذہب کو پوری طرح نہ سمجھ لوں میں دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کی بات سوچ ہی نہیں سکتا۔
۲۶) مذہبی صحیفے حق وفہم سے بالاتر نہیں ہو سکتے وہ تو فہم کی پاکیزگی اور حق کی تجلّی کے لیے ہوتے ہیں۔
۲۷) خدا سچائی ہے وہ میرے لیے انمول خزانہ ہے کاش وہ ہم سب کے لیے ایسا ہی ہو۔
۲۸) نیک نیتی اور عبادت کے جذبہ سے جو کوشش کی جائے وہ کبھی رائیگاں نہیں جاسکتی۔ انسان کی کامیابی صرف اسی کوشش میں ہے نتیجہ تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔
۲۹) میرے لیے خدا سچائی اور محبت ہے۔
۳۰) میں ایسا ادب اور فن چاہتا ہوں جو کروڑوں انسانوں سے مخاطب کر سکے۔
۳۱) جہاں غریبوں کے لیے خالص اور عملی محبت ہے وہیں خدا بھی ہے۔
۳۲) جنہیں خدا نے ایک کیا ہے انہیں انسانوں کو جدا جدا کرے گا۔
۳۳) مذاہب انسانوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لیے نہیں انہیں ملانے کے لیے ہے۔
۳۴) مذاہب کا اخلاق سے وہی تعلق ہے جو بوئے ہوئے بیج کا پانی سے۔ سچا مذہب حقیقتاً اخلاق کے ہم معنی ہے۔
۳۵) ضبط نفس کے معنی ہیں خیال قول اور عمل میں حواسوں پر مکمل قابو۔
۳۶) وہی خدا کا سچا ماننے والا ہے جو اپنے عقیدے کا صلہ نہیں چاہتا۔
۳۷) سچائی یا پاکیزگی سے بڑا کوئی مذہب نہیں اعلیٰ ترین اخلاق عالم گیر ہوتا ہے۔
۳۸) مذہب کے نام پر حیوانیت بربریت کا نشان ہے۔
۳۹) انسان کے لیے ایک ہی عالمگیر مقصد ہوتا ہے۔
۴۰) لیڈروں سے جن اوصاف کی امید کی جاتی ہے وہ ہیں ہمت برداشت، بے خوفی اور سب سے بڑھ کر قربانی۔
۴۱) قیمتی سے قیمتی تحفوں کو بلا تردد تباہ کر دینا چاہئے اگر وہ ہماری اخلاقی ترقی میں حائل ہوتے ہیں۔
۴۲) رام راج کا مطلب ہے عوام کی بالادستی جو خالص اخلاقی طاقت پر مبنی۔
۴۳) اگر خدا میں سچا اعتقاد ہے تو اس کی حقیر سے حقیر مخلوق کے لیے بھی اپنے دل میں جگہ رکھیں۔
۴۴) انسان کے لیے ایک ہی مذہب ہو سکتا ہے یعنی خدا پرستی۔

صالح اقتصادیات

۱) میرے لیے سوراج کا مطلب ہے اپنے ملک کے چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے لیے آزادی۔
۲) میرے تصور کے ہندوستان میں اچھوت پن کی لعنت کی کوئی جگہ نہیں۔
۳) شراب کی دکانیں سماج کے لیے ناقابل برداشت لعنت ہے۔
۴) سب سے بڑی قابل لحاظ ہستی انسان کی ہے۔ ایسا نہ ہو

کہ مشین انسانی ہڈی پسلیوں کو ناکارہ کردے۔

۵) رام راج کے معنی ہیں عوام کی بالا دستی جو خالص اخلاقی قوت پر مبنی ہو۔

۶) جو قوم بے انتہا قربانیاں کرسکتی ہے وہ بے انتہا بلندی تک پہنچ سکتی ہے۔ قربانی جتنی ہی خالص ہوگی اتنی ہی تیز ہوگی۔

۷) اقتصادی برابری کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق ملے۔

۸) تعلیم سے میری مراد ہے کہ بچے کے اور آدمی کے جسم، دماغ اور دل کے بہترین جوہر کھلیں۔

۹) صحیح تعلیم کا مطلب ہے کہ آپ کے بہترین جوہر کھلیں انسانیت کی کتاب سے بہتر اور کون کتاب ہے۔

۱۰) نشیلی چیزیں اور شراب شیطان کے دو ہاتھ ہیں جن سے وہ اپنے بے سہارا غلاموں کو بدمست اور مدہوش بنا دیتا ہے۔

۱۱) عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ عوام کے لیے ایک شخص کے حکم پر نہیں چلائی جاسکتی چاہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

۱۲) اگر ہندوستان کو پاکیزہ خیال پر مبنی پاکیزہ عمل میں رہنمائی کرنا ہے تو خدا بڑے آدمیوں کی عقل مبہوت کردے گا اور گاؤں والوں کو اپنے اظہار کی طاقت دے گا۔

۱۳) نشہ بندی کے معنی محض شراب کی دکانوں کا بند کرنا نہیں بلکہ قوم کی بالغ تعلیم کا ایک نمونہ ہے۔

۱۴) شراب نوشی ایک لعنت سے زیادہ ایک روگ ہے۔

زندگی کے قوانین

۱) خدمت کی زندگی میں ایثار ہونا چاہیے جو اپنی زندگی اوروں کے لیے قربان کرسکتا ہے وہ اپنے لیے کیا بچا رکھے گا۔

۲) خلوص کا بہترین معیار دکھ اٹھانے کی شکتی ہے۔

۳) عورت کا اصلی گہنا اس کا کیرکٹر اس کی پاکیزگی ہے۔

۴) اکیلا ایک چراغ بھی گھرے سے گھرے اندھیرے کو دور کرسکتا ہے۔

۵) آبادی میں اضافہ کوئی مصیبت نہیں ہے جس سے بچا جائے اور نہ اسے ایسا سمجھنا چاہیے لیکن مصنوعی طریقوں سے اس کی روک تھام اعلیٰ درجے کی مصیبت ہے۔

۶) جب بھوک لگے تبھی کھاؤ جبکہ تم اپنی روزی کے لیے محنت کر چکے ہو۔

۷) شادی کا صحیح مقصد یہی ہونا چاہیے اور یہی ہے کہ آپس میں مرد اور عورت میں گہری دوستی ہو اور ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔

۸) عورت کو یہ بھول جانا چاہیے کہ وہ کبھی مرد کی جنسی بھوک کی تسکین تھی۔ تبھی وہ مرد کے پہلو بہ پہلو اپنی باوقار جگہ، اس کی ماں، اس کی بنانے والی اور خاموش لیڈر کی حیثیت سے حاصل کر سکے گی۔

۹) مرد نے اپنی جنسی اغراض کے لیے عورت کو کافی ذلیل کیا ہے۔ مصنوعی طریقے اسے اور ذلیل بنا دیں گے۔

۱۰) آلات مانع حمل کے ساتھ ہم صحبتی بچوں کی پیدائش تو روک سکتی ہے لیکن مردوں اور عورتوں کے جوہر توانائی کو چوس لے گی۔

۱۱) آزادی کی لڑائیاں بغیر بھاری قیمت دیئے نہیں لڑی جاتیں۔

۱۲) قربانی جتنی پاک ہوگی ترقی اتنی ہی تیز ہوگی۔

(ماخوذ: باپو نمبر فروغ اردو لکھنؤ، اکتوبر ونومبر ۱۹۶۹ء)

سید احمد حسینی۔ پی ایچ ڈی، اسکالر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

کولم پلی کے کل ہند مشاعروں کا
اردو ادب کے فروغ و قومی یکجہتی کی بقاء میں اہم رول

اردو ادب کے فروغ اور قومی یکجہتی کی برقراری میں خانقاہوں کا مرکزی کردار رہا ہے۔ یہاں نعتیہ مشاعرے منقبتی محافل اور قوالیاں اردو زبان کو پروان چڑھانے میں مددگار ثابت ہوئی ہیں۔ یہ محفلیں یکجہتی کو پروان چڑھانے کی کاوشوں کا ایک حصہ ہیں۔ دکن میں موجود تمام درگاہوں میں اعراس و دیگر تقاریب کے مواقعوں پر اِس طرح کی تقاریب کا انعقاد عمل میں آتا ہے۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق کو دیکھیں تو ہمیں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت سید خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے مرید خاص حضرت امیر خسروؒ کا اردو ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہی روایت ہمیں دکن میں صوفی بزرگ اور محبوب الٰہی کے ایک اور شاگرد حضرت سید خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ کے یہاں بھی ملتی ہے۔ صوفی بزرگوں کے یہاں اردو زبان کو رابطہ عامہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ جسکی ہمیں کئی نظائر ملتی ہیں۔ سابق پروفیسر و صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد و برسٹریٹ لا ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے اپنی تصنیف ''خواجہ بندہ نوازؒ کا تصوف اور سلوک'' میں حضرت خواجہ بندہ نواز کے ادبی دوستی صوفی ازم فلسفے اور فلسفے کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ معراج العاشقین کو اردو زبان کا پہلا رسالہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ رسالہ بھی حضرت خواجہ بندہ نواز سے ہی منسوب ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صوفیوں نے اردو ادب کے فروغ میں ابتداء سے ہی کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ تلنگانہ ریاست کے نارائین پیٹ ضلع کے موضع کولم پلی میں واقع درگاہ حضرت سید شاہ احمد قتال حسینی اشرفیؒ کے موجودہ سجادہ نشین و متولی جناب سید جلال حسینی اشرفی (راقم الحروف کے والد بزرگوار ہیں) کا ننھیالی سلسلہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بھی اس پُر آشوب دور میں اردو ادب کو پروان چڑھانے کی کی روایات کو برقرار رکھا ہے۔ آپ نے آستانہ حضرت سید شاہ احمد قتال حسینی اشرفیؒ کے عرس مبارک کے مواقع پر کل ہند سطح کا نعتیہ و منقبتی مشاعرے، قوالیوں کی محافل کا انعقاد کرتے ہوئے اردو ادب کے فروغ کیلئے ایک مثالی اقدام کیا ہے۔ چھوٹے سے گاؤں میں کل ہند سطح کے عظیم الشان پیمانے پر مسلسل مشاعروں کا انعقاد ایک بہترین کوشش ہے۔ جو تشنگانِ اردو ادب کی پیاس بجھانے میں کافی مددگار ثابت ہوئی ہے۔ آج سے لگ بھگ 44 برس قبل یعنی سال 1976 میں پہلا مشاعرہ جو غیر طرحی نعتیہ تھا منعقد کیا گیا۔ مشاعروں کے انعقاد کا سلسلہ 25 برس تک بلاخلل جاری وساری رہا۔ کئی طرحی مشاعرے بھی اِن میں شامل ہیں۔ جن شعراتے یہاں اپنا کلام سنایا ہے اُن میں قابل ذکر جمیل الدین شرفی، خواجہ شوق، مسرور عابدی، سردار

سلیم، برق کڑپوئی، ثاقب بنارسی، گوتم سروپ، نور آفاقی، ظہیر ناصری، حلیم بابر، سلیم عابدی، جلال عارف، نصرت فاروقی، منان رہبر، وحید اسیر، چچاپالموری، انجم برہانی، روشن خانزادے، آعظم اثر، اختر حسین اختر احمد آبادی، محسین جلگانوی، تبریز حسین تبریز، مجاہد صدیقی، روف حسام، غلام محمود تاج، قاری احمد حسین جمیل، دوویش شولاپوری، بے ہوش محبوب نگری، جلیل رضا، غوث پاشاہ اتم، شمس جالنوی، محبّ کوثر تاج الدین تاج ودیگر شامل ہیں۔۔۔۔۔ ہر سال پابندی سے منعقد کیے جانے والے اِن محافلوں میں نعت کیلئے ایک سال مصرعہ دیا گیا تھا ''نور وحدت کا سراپا ہیں محمد مصطفیٰ'' اِس مصرعے میں سراپا قافیہ تھا جبکہ ردیف ہیں محمد مصطفیٰ تھا۔ اِس مصرعے پر مشاعرے میں شریک شعراء نے عمدہ کلام پیش کیا۔ حیدرآباد سے تشریف لانے والے مشہور و معروف شاعر گوتم سروپ نے اِس مصرعے پر بہترین نعت پیش کرتے ہوئے سامعین کے دلوں میں منفرد مقام حاصل کرلیا تھا۔ جن کے کلام کا ایک شعر جو یوں تھا ؎

پارہ پارہ ہوگئیں ٹکراکے باطل طاقتیں
عزم وہمت کا ہمالہ ہیں محمد مصطفیٰ

ڈاکٹر تبریز تاج جو آج ایک سنئیر صحافی ہیں۔ انہوں نے اُس وقت ایک ابھرتے شاعر کے طور پر اس مشاعرے میں حصہ لیکر اپنا کلام پیش کیا تھا ؎

سارے نبیوں کے شہنشاہ ہیں محمد مصطفیٰ
زینت عرش ِمعلیٰ ہیں محمد مصطفیٰ
خانہ دل آپ کا تبریز روشن ہوگیا
آسمانِ دل کا تارا ہیں محمد مصطفیٰ

جبکہ دوسرے برس نعتیہ مشاعرے کا طرح مصرعہ دیا گیا تھا ''عزت ہے غلاموں کی شہنشاہ اُمم سے''۔ نارائین پیٹ مستقر پر ایک نابینا شاعر قاری احمد حسین جمیل رہا کرتے تھے۔ اُنہوں نے اس مصرعہ پر ایک شعر میں بڑے کمال سے اپنے نابینا ہونے کا ذکر کچھ یوں کیا تھا ؎

آقا کا کرم ہے جمیل بھی ہے ایک شاعر
نہ واسطہ ہے اُس کو کاغذ سے قلم سے

اِس کے علاوہ ایک اور طرحی مصرعہ ''شاہ قتال کے روضہ کی ہوا آتی ہے''۔ یہاں ہوا قافیہ تھا اور آتی ہے ردیف۔۔ اِس مصرعے پر بھی شعرانے کافی عمدہ کلام پیش کیا تھا۔ چند شعرا کا نمونہ کلام پیش ہے جو اسطرح تھا۔ اِس مشاعرے میں شاداب بے دھڑک مدراسی نے اپنے نعتیہ طرحی کلام سے کافی داد حاصل کی تھی۔ جن کے شعر کے اس مصرعے کو بار بار سنا گیا تھا ''ٹوٹتے قلب سے آواز خدا آتی ہے''۔ سید جلال حسینی اشرفی بھی ایک اچھے شاعر ہیں وہ نعت اور منقبت لکھتے ہیں۔ انہوں نے اِس مصرعے پر ایک منقبت پیش کی جس کے چند اشعار کچھ اس طرح ہیں ؎

یاد جس لمحہ مدینے کی فضا آتی ہے
شاہ قتال کے روضہ کی ہوا آتی ہے
من عرف کہہ کر میں جس آن فنا ہوتا ہوں
قد عرف سے اُسی لمحہ بقا آتی ہے

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت سید احمد قتال حسینی اشرفی '' کے جداعلیٰ حضرت سید شاہ چندا حسینی اشرفی ہیں جن کا آستانہ کرناٹک کے گوگی شریف میں ہے۔ حضرت چندا'' کا ذکر تاریخ کی مستند تسلیم کی جانے والی کتاب تاریخ فرشتہ میں بھی موجود ہے۔ کیونکہ بیجاپور

کے عادل شاہی بادشاہوں نے حضرت چنداؒ کے پہلو میں مدفن ہونے کو اپنی نجات سمجھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آستانے چنداؒ کے احاطے میں ہی بیجاپور کے عادل شاہی بادشاہوں کے مقبرے موجود ہیں۔اِس بزرگ کی کرامات کو بھی سید جلال حسینی اشرفی نے اپنے اس شعر میں یوں اجاگر کیا ہے ۔

بطنِ مادر میں ہیں اور انھیں دریا کرنا ہے عبور
سطح دریا پہ سواری کو ردا آتی ہے
اُن کے قدموں میں رہے سر میرا جس وقت خدا
آنے دے آنے دے آنے دے قضا آتی ہے

آستانے کے ایک اور شعر تبریز نے اِسی طرحی مصرعے میں اپنا کلام پیش کیا تھا جن کے چند اشعار ۔

نعت لب پر مرے جب صلی علی آتی ہے
اُسی محفل میں مجھے یاد خدا آتی ہے
آج تبریز کے دامن کو سجانے کیلئے
در سے سرکار کے رحمت کی گھٹا آتی ہے

ہر سال منعقد کیے جانے والے اِن مشاعروں میں منقبت اور نعت کیلئے ایک مصرعہ یا پھر الگ الگ مصرعے دیئے جاتے تھے ایک کل ہند نعتیہ مشاعرے کیلئے مصرعہ دیا گیا تھا جو یہ تھا ۔

"قتال کے سینے میں چندا کا اجالا ہے"

اِس مصرعے میں غلام محمود تاج نے ایک نعت سنائی تھی جسے بے حد پسند کیا گیا تھا۔جن کی نعت کا ایک شعر کچھ اس طرح تھا ۔

عشق شہہ والا کا دیپک جو جلایا ہے
کافی ہے میرے حق میں جو کچھ بھی اجالا ہے

ہر مشاعرے میں سید جلال حسینی اشرفی بھی پابندی سے اپنا طرحی کلام سنایا کرتے تھے۔اِس مصرعے پر اُنہوں نے ایک منقبت پیش کی تھی جس کے چند اشعار کچھ اِس طرح تھے... ۔

اِس واسطے سر اپنا سر قد پہ جھکایا ہے
قتال کے سینے میں چندا کا اجالا ہے
ظلمت کے اندھیروں نے جس دم مجھے گھیرا ہے
خود پیر نے بڑھ بڑھ کے اُس وقت سنبھالا ہے

اسکے علاوہ یہاں منعقد ہونے والے سالانہ نعتیہ و منقبتی مشاعروں کیلئے کچھ طرحی مصرعے اس طرح بھی دیئے گئے تھے ۔

"احمد کی ذات آئینہ ذوالجلال ہے"
"قتال شاہ آپ کا دیدار ہو گیا"
"بولتا قرآن بن کر پہلے آیئے مصطفیٰ"
"کس شان کی سرکار ہے سرکار محمدؐ"
"قتال شاہ تم ہو سرکار کے نواسے"

اِن طرحی مشاعروں میں آندھرا پردیش کرناٹک، گجرات مہاراشٹر کے بشمول اُترپردیش اور دہلی کے بھی کئی شعراء نے شرکت کرتے ہوئے اپنا طرحی کلام پیش کیا ہے۔دراصل اِن مشاعروں کا انعقاد اردو زبان و ادب کو فروغ دینا ہے۔اور جو صوفیوں کی روایت رہی ہے ادب کے تئیں اُسے برقرار رکھنا ہے۔کیونکہ سید شاہ جلال حسینی اشرفی سجادہ نشین و متوالی درگاہ سید احمد قتال حسینی اشرفی کا یہ مشن رہا ہے کہ زبان ادب کے فروغ سے ہی اہل زبان کا تشخص برقرار رہتا ہے۔کیونکہ زبان رابطہ کے ذریعے کے ساتھ ساتھ انسانی شناخت اور تہذیب کی بھی اٹوٹ علامت ہے۔اِن مشاعروں کا انعقاد اشرفیہ

ایجوکیشنل سوسائٹی کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ یہ سوسائٹی ایک رجسٹرڈ سوسائٹی ہے جس کے اغراض ومقاص میں اردو کے فروغ کیلئے اِس طرح کی کاوشوں کا ذکر شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشرفیہ ایجوکیشنل سوسائٹی کی جانب سے مشاعروں کے انعقاد کے ساتھ شعراء کو انعام اور خطابات سے بھی نوازا جاچکا ہے۔ جیسے محبوب نگر مستقر کے اُستاد شعرا نور آفاقی اور ظہر ناصری کو خطابات سے نوازا گیا ہے۔ نور آفاقی کو عمدۃ الشعراء اور ظہیر ناصری کو شاعر آستانہ کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ یہ خطاب سپاس نامہ شال پر مشتمل ہے۔ سپاس نامے میں منتخب شاعر کی خدمات کو اجاگر کرتے ہوئے اُنھیں اعتراف پیش کیا گیا ہے۔

نارائین پیٹ جو پہلے متحدہ ضلع محبوب نگر کا ایک ڈویژن مستقر رہا ہے۔ جو خود اب ایک علیحدہ ضلع کا مستقر ہے۔ یہاں علمی وادبی سرگرمیوں کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ نارائین پیٹ مستقر پر عیاں حیدرآبادی کی سرپرستی میں مثالی ادبی محفلیں اور مشاعروں کا انعقاد کیا گیا ہے۔ معروف شاعر علی احمد جلیلی بھی یہاں درس وتدریس کی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اطراف واکناف کے مواضعات میں بھی ادب نواز اور ادب دوست افراد کی کثیر تعداد موجود ہے۔ کولم پلی موضع بھی نارائین پیٹ سے 15 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اِس گاؤں میں اردو زبان جاننے والوں کی اچھی تعداد موجود ہے اور یہاں بھی اردو میڈیم کا ایک سرکاری اسکول موجود ہے۔ اِس کیلئے اشرفیہ ایجوکیشنل سوسائٹی کی جانب سے دارلعلوم اشرفیہ چلایا جاتا ہے۔

کل ہند مشاعروں کے انعقاد کی وجہ سے مقامی لوگوں میں ادبی ذوق میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں منعقد کیے جانے والے مشاعرے اِس لئے بھی تاریخی سمجھے جاتے ہیں چونکہ اِن مشاعروں میں سامعین کی تعداد ہزاروں میں ہوا کرتی ہے۔ سامعین کی کثیر تعداد سے ہی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہاں ادبی ذوق رکھنے والوں کی آج بھی اکثریت موجود ہے۔ کیونکہ اب اکثر مشاعروں میں سامعین تعداد محدود ہوتی جارہی ہے۔ جیسے ہی اس علاقہ اور اسکے آس پاس کولم پلی کے عرس شریف کا تذکرہ ہوتا ہے۔ فوری طور پر لوگوں کے ذہنوں میں مشاعرے اور ادبی محفلوں کا تصور اُبھر کر آتا ہے۔ اردو ادب کے فروغ میں یہ ایک انتہائی مثبت اقدام ہے۔ اگر کوئی مورخ جب بھی اردو زبان کے حوالے سے اس علاقے کی تاریخ مرتب کریگا تو اُس میں یہاں کے مشاعروں اور ادبی محافل کو نمایاں طور پر اجاگر کرنا ہوگا۔ کیونکہ اردو ادب میں یہ خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ بلکہ صوفیوں کے اردو ادب کے تئیں اپنی اٹوٹ وابستگی کا ثبوت بھی ہیں۔

مشاعروں کے انعقاد سے سامعین وقتیہ طور پر محظوظ تو ہوتے ہیں ساتھ ہی ساتھ اِن میں ادبی ذوق بھی پروان چڑھتا ہے۔ سامعین کے اندر بھی سوچ وفکر پر روان چڑھتی ہے۔ منقبتی کلام سے صوفی نظریات کو سادہ الفاظ میں عام فہم انداز سے سمجھانے کیلئے شعراء کا کلام مددگار ثابت ہورہا ہے۔ کیونکہ آج کے دور میں ہم آہنگی قومی یکجہتی اور بھائی چارہ کو برقرار رکھنے میں اِن مشاعروں کا بھی اہم رول رہا ہے۔ شعراء نے اپنے منقبتی کلام سے امن اور آشتی کی شمع روشن کی ہیں۔ جس کا اجالا سماج میں پھیلے نفرتوں کے اندھیروں کو دور کررہا ہے۔ جیسے خود سید جلال حسینی اشرفی کا یہ شعر جس کی ایک عمدہ مثال ہے ۔

ہر شئے میں دید ہوگی خدا کے وجود کی

ڈاکٹر نادر المسدوسی۔صدر "بزم علم وادب"، حیدرآباد

پروفیسر بیگ احساس کے لیے خراج عقیدت

تعزیتی قطعہ

سب عزیز تھے وہ دلوں کے قریب تھے
استاد تھے ، صحافی تھے ، اچھے ادیب تھے
افسانے لکھا کرتے تھے شہرہ جہاں میں تھا
ہر فن میں بیگ آپ ادیب نقیب تھے
نادر کی یہ دعا ہے کہ مولیٰ کرم کرے
بخشے خدا انہیں جو سبھی کے حبیب تھے

دل میں تو اپنے پیر کا نقشہ جما کے دیکھ

اس کے علاوہ اُن ہی کا ایک اور شعر بھی ہے جو اِن مشاعروں میں سنایا گیا ہے۔ جو یکجہتی کو پروان چڑھانے کی ایک کامیاب سعی ہے ۔

ہندو ہو کہ مسلم ہو کہ سکھ ہو کہ وہ عیسائی
ہر ایک کا دعویٰ ہے قوال ہمارا ہے

اِس طرح کے اشعار سے جو ماحول بنتا ہے وہ بھائی چارے کا امن کا اخوت کا اور کثرت میں وحدت والے سماج کا کیونکہ ہندوستان کی شناخت کثرت میں وحدت والے مثالی سماج کی ہے۔ اِن مشاعروں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے علمی وادبی خدمات کے ساتھ ساتھ شہریوں کی سماجی ذمہ داریاں بھی پوری ہورہی ہیں۔ بلکہ حقیقت میں بھی اگر دیکھیں تو آج بھی صوفیوں کے آستانوں پر تمام مذاہب، ذاتوں اور نسل کے افراد بلا تفریق شرکت کرتے ہوئے اپنی اپنی عقیدت کا اظہار

ڈاکٹر نادر المسدوسی۔صدر "بزم علم وادب" حیدرآباد

ایمان پر ہی مرنا

قرآن میں ہے لکھا ، ایمان پر ہی مرنا
جینا تو ایسا جینا، ایمان پر ہی مرنا
فکرِ معاش میں تم ، دیکھو نہ گم ہی رہنا
سب کچھ تمہیں ہے کھونا ، ایمان پر ہی مرنا
دن ہو کہ رات ہم کو ذکرِ خدا میں رہنا
راضی بھی اس کو کرنا ، ایمان پر ہی مرنا
ذکرِ خدا بھی کرنا ، ذکرِ نبیؐ بھی کرنا
ہر دم درود پڑھنا ، ایمان پر ہی مرنا
جاں ہو کہ مال سب کچھ راہ خدا میں دینا
تیار ہم کو رہنا، ایمان پر ہی مرنا
اپنے گناہوں پر بھی، پچھتاوا ایسا رہنا
اللہ معاف کرنا ، ایمان پر ہی مرنا
ہر حال میں اے نادر ، شکرِ خدا تو کرنا
رب سے تو راضی رہنا ، ایمان پر ہی مرنا

کرتے ہیں۔ بلکہ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی آج اِن صوفیوں کے مزاروں پر ہزاروں عقیدت میں صدق دل سے حاضر ہوکر اِن قدموں میں گلاب وعنبر پیش کرتے ہیں۔

اسی طرح کے کثیر المذاہب معاشرے کو برقرار رکھنے کیلئے اِن مشاعروں کا انعقاد ایک کامیاب سعی رہی ہے۔ اِن مشاعروں میں گوتم سروپ جیسے راجپوت شاعر نے اپنا عقیدت بھرا کلام سنا کر متحدہ سماج کی پہل کو کامیاب بنایا ہے۔

عشرت راشدی۔بی۔ایس۔سی(بی۔ای۔سی)حیدرآباد

اولاد کی تربیت میں باپ کا کردار

یہ دنیادارالامتحان ہے جہاں قدم قدم پر ہرانسان کا امتحان لیاجاتا ہے کبھی بے شمار نعمتوں، راحتوں اور مال ودولت سے نواز کراور کبھی اولاد کی پرورش وتربیت کے ذریعہ۔ان تمام نعمتوں میں اولاد کی پرورش وتربیت وہ اہم ذمہ داری ہے جو آپ کی دنیا وآخرت دونوں میں بہت عظیم ہے چونکہ اولاد کا تعلق نکاح سے شروع ہوتا ہے۔نکاح وہ عظیم نعمت وحکمت نہایت بلند پایہ سماجی مقصد ہے جو بقاءنسل کا وسیلہ ہے۔یہ عبادت میں سے ایک اہم عبادت ہے جس میں مرداورعورت کو اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے،نکاح کا اہم مقصد میاں بیوی کے درمیان باہمی محبت والفت وایثاروقربانی کے جذبات پیدا کرتا ہےاوراپنی اولاد کی پرورش میں جی جان لگانا ہے۔

آج کل ہم سماج میں ایسی زندگی جی رہے ہیں جو سوشیل میڈیا،موبائیل، ٹیلی ویژن،انٹرنیٹ اور ہمہ اقسام کے سیریلوں سے گھری ہوئی ہے اس کے بغیر ہی ہمارا گذارا ممکن نہیں ہے،اس کے بغیر ہم جی نہیں سکتے۔اولاد کی پرورش میں ماں کا کردار بہت اہم ہے جس کے بغیر اولاد کی پرورش ادھوری اورنامکمل ہے۔معصوم بچےاپنی ماں کاعکس ہوتے ہیں،وہ اپنے کردار میں ماں کی ذات اور جھلک کو پیش کرتے ہیں مگر میں آج جس تلخ حقیقت کا تذکرہ کررہی ہوں وہ باپ کا کردار ہے۔اولاد کی تربیت میں باپ کا کردار بہت اہم ہے۔لوگ اولاد کی تربیت کے بارے میں اس وقت سوچتے ہیں جب وہ18سال کے ہوتے ہیں اور جب ان کا تلخ لہجہ آپ کی برداشت کے باہر ہوتا ہے جب اولاد کا غصہ آپ کوڈرانے لگتا ہے اورآپ کی بےعزتی ہوتی ہے لوگوں کے سامنے تب اولاد کی تربیت یاد آتی ہے جب ماں باپ ایک دوسرے کوالزام دینے لگتے ہیں۔

میں یہاں قارئین کیلئے کچھ اہم نکات پیش کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔انشاءاللہ امید کرتی ہوں کہ آپ کی اولاد کی تربیت میں اہم رول نبھائیں گے۔

1۔اولاد کی تربیت کا پہلا مرحلہ نیک اوراچھی ماں کا انتخاب ہے۔بیشک آپ خوبصورت عورت کا بھی انتخاب کرسکتے ہیں مگر جہیز کی بنیاد پر نہ ہو۔آپ بیوی کے گھروالوں سے ملنے والی دولت کی بناء پرشادی کرتے ہیں۔جس رشتے کی بنیاد ہی لالچ اورآس پرہو وہ پائیدار اور مستقل کیسے ہوسکتا ہے اور یہی خون ان کی اولادوں میں کل کی لالچ میں سرائیت کرجاتا ہے۔مرد کی غیرت کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے دامن کوکسی اور کے سامنے پھیلائے۔

2۔بے شک عورت سے آپ خوبصورتی کی بناء پرنکاح کرسکتے ہیں پرآپ یہ تسلی ضرور کرلیں کہ وہ آپ کے ماں باپ کا خیال رکھے گی؟ کیا وہ آپ سے جڑے رشتوں کا لحاظ رکھے گی؟ کیا آپ کا برے وقت میں ساتھ دے گی؟ اس کی بہترین مثال اُم المومنین حضرت خدیجہؓ ہے۔آپؓ کی یہ خوبی ہی ہمارے نبیؐ کے دل میں وہ مقام پیدا کردی کہ آپؐ ان کوعمر کے آخری حصہ تک بھلانہیں سکے۔آپؐ جب بھی خدیجہؓ کاذکر کرتے بچوں کی طرح روپڑتے تھے۔

3۔ نیک اولاد کیلئے شوہر و بیوی خوب دعائیں کرتے جب صاحب اولاد ہوتو صحابیاتؓ کے نام کو ترجیح دیں latest فیشن کے نام سے گریز کریں ۔ چھلہ، چھٹی کے بجائے عقیقہ کے فرض کو ادا کرنے اور غیر اسلامی امور سے گریز کریں۔

4۔ ماں کا دودھ اولاد کا اولین حق ہے ۔ماں کے دودھ کو ترجیح دیں ماں جب دودھ پلاتی ہے تو اس کی فطرت وعادات اور جذبات بھی دودھ کے ساتھ اولاد کے جسم میں داخل ہوجاتے ہیں۔

طفل میں کہاں آئیں گی بُو اپنے اطوار کی
دودھ ہی ڈبے کا تعلیم ہے سرکار کی

5۔ بچہ آپ کے گھر میں Empty Voice Recorder کی طرح ہوتا ہے جو کچھ آپ بولتے ہیں وہ محسوس کرتا اور سیکھتا ہے جب بچے معصوم ہوتے ہیں گالی دیتے ہیں ناچتے ہیں تو ماں باپ شان سمجھتے ہیں۔دادا، دادی گھر کے دیگر افراد خوب سراہتے ہیں، اس کے غصہ کو فخر سمجھتے ہیں اور بچوں کی موبائیل دیکھتے ،ٹی وی دیکھنے کی عادت کی تکمیل کرتے ہیں اور یہیں سے بچوں کی تربیت کی بنیاد ڈگمگا جاتی ہے۔

6۔ ماں کے سارے دن کی تربیت باپ کی ایک نگاہ کے برابر ہے۔ اس لیے والد وقت دیں ۔دفتر، کاروبار سے واپسی کے بعد 24 گھنٹے میں صرف ایک گھنٹہ خاص بچوں کو دیں، اُن سے بات کریں، اخلاقیات سکھائیں، پڑھائی کے بارے میں پوچھیں ،کبھی کبھار کچھ کھیل بھی کھیلیں، اسلامی قصے سنائیں۔

7۔ ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ اولاد کی پرورش ماں کرتی ہے باپ تو اولاد کیلئے ATM ہے جو محنت کی کمائی سے تمام ضروریات وخواہشات پوری کرتا ہے۔ٹیچر دنیاوی تعلیم کیلئے اور مولوی صاحب دینی تعلیم کیلئے بس یہی زندگی ہے۔

8۔ باپ سے جو سینہ بہ سینہ علم اولاد کو سیکھنا چاہئے وہ سلسلہ تو مانو ختم ہوگیا ہے اولاد باپ سے جو دھوپ، چھاؤں کی باتیں سیکھتی ہے وہ کبھی فراموش نہیں کرتی، آپ اپنے بچوں کو رشتہ داروں کے حقوق سکھائیں، حرام حلال کا فرق بتائیں، معاف کرنے کے فائدے بتائیں ۔طاقت کے ہوتے ہوئے ضبط کی صلاحیت، دولت کے ہوتے ہوئے عاجزی کرنا کمزوروں پر رحم کرنا، بند مٹھی خیرات کے فائدے اور ایسی دیگر چیزیں ہیں جو باپ کے سکھانے سے اولاد کے دل میں اتر جاتی ہیں۔ ہر چیز کو، ٹیچر ،مولوی صاحب اور ماں پر چھوڑا نہیں جاتا آپ کا بھی بچوں کی تربیت میں اہم کردار ہونا چاہئے ہے۔

9۔ مرد حضرات آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ دفتر اور کاروبار سے وقت ہی کہاں ہے؟ آپ کے پاس موبائیل دیکھنے کا وقت ہے۔ بے حیاء Comedy Videos کیلئے وقت ہے۔ فیس بک ،واٹس اپ کیلئے وقت ہے۔ Tik Tok کیلئے وقت ہے مگر اولاد کیلئے وقت نہیں ہے۔

10۔ باپ کا کردار اولاد کیلئے رول ماڈل کی طرح ہوتا ہے۔آپ خود ہمہ اقسام کے Games کھیلتے ہیں۔آپ خود گٹکھا ،سگریٹ نوشی کے عادی ہیں ۔ ہمہ اقسام کی بُرائیاں آپ کے اندر خود موجود ہیں اور یہی گٹکھا ،سگریٹ کی عادت ،گیم کھیلنے کی عادت آپ کے سینے میں سرائیت کرجاتی ہے تب آپ اس کو روک نہیں سکتے سوائے شرمندگی کے آپ کے ہاتھ کچھ نہیں لگتا۔

11۔باپ گھر میں ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہیں آپ خود بے حیائی Comedy سیریل دیکھتے ہیں ننگی عورتوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔بیہودہ مذاقوں پر خوش ہوتے ہیں۔ ان چیزوں پر آپ کی بیٹی غور کرتی ہے تو اب آپ بتایئے حیاء کا پردہ کہاں رہا جناب۔

12۔کئی ایسے والدین ہیں جو آئے دن سڑکوں پر نظر آتے ہیں، جو بیٹیوں کو تنگ لباس پہنا کر سڑکوں پر نمائش کراتے ہیں، باپ کی غیرت کہاں مرگئی، وہ زندہ ہوئے بھی لاش کی طرح ہے۔

13۔اپنی بیٹیوں کو صحابیاتؓ کے قصے سنائیں، ایثار و قربانی سکھائیں درگزر کرنا بتائیں تاکہ اس کی آگے کی زندگی کامیاب و کامران ہو۔

14۔باپ ہمیشہ بچوں کو اسلام کی نظر میں ماں باپ کی اہمیت وعزت کا درس دیں۔کبھی بھی اپنی دولت کا ذکر اولاد کے سامنے نہ کریں، میاں بیوی اولاد کے سامنے ایک دوسرے سے نہ لڑیں اور نہ ہی تنازعات کا ذکر کریں بلکہ ہمسفر ایک دوسرے کی اہمیت کا ذکر بچوں کے سامنے کریں۔یہ نہایت ہی اہم بات ہے اگر ماں اپنے بچوں کے سامنے والد کی عزت کرے گی، اُن کے احساسات کو سراہے گی تو بیٹیاں بھی آگے اُن کے شوہروں کی عزت کریں گی اور مرد حضرات اگر بیوی سے سے شفقت کریں گے اور بیوی کو عزت دیں گے تو بیٹے بھی اپنی آگے کی زندگی میں اپنی بیوی کو عزت دیں گے۔

15۔اگر آپ کم پیسے کما کر بچوں کو صرف دو وقت کھانا دے سکتے ہیں تو یہ معیوب بات نہیں ہے۔مگر آپ زیادہ پیسے کما کر بچوں کو وقت نہیں دے سکتے ،اس کی تربیت نہیں کرسکتے ،اُن کو اچھے برے کے بارے میں نہیں سکھا سکتے تو یقین جانیئے یہ آپ کی دنیا و آخرت کا سب سے بڑا خسارہ ہے۔آپ کی زندگی ناکام ہے۔اس میں صرف تباہی، بربادی ،شرمندگی اور ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں اور یہ تباہی اور نااہل اولاد کئی نسلیں تباہ کردیتی ہیں، جس سے کئی نسلوں تک لامتناہی نقصان ہوتا ہے۔

16۔دنیا کے امیر شخص بل گیٹس نے اپنی دولت کا بڑا حصّہ Trust کو دے دیا لوگوں نے وجہ جاننی چاہی تو اس نے کہا یہ دولت کے نشہ سے میری اولاد نااہل ہوسکتی ہے کیوں کہ ان کے پاس ہر قسم کا عیش وآرام موجود ہے اس لیے میں انہیں وہ علم دینا چاہتا ہوں جس کے بل پر وہ قابل بن کر دوبارہ یہ دولت حاصل کرسکیں۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ پرندے اپنے بچوں کو گھونسلے بنا کر نہیں دیتے بلکہ پرواز کرنا سکھادیتے ہیں تاکہ وہ دنیا دیکھیں، سیکھیں اور اپنے فیصلے خود کریں۔ایسی بہت سی مثالیں ہیں صرف آپ غور سے سوچنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

17۔خدارا اپنے بچوں کو وقت دیں۔اپنے ساتھ وقت گزاریں۔ان کی پسند ناپسند کو محسوس کریں۔بے شک دوست احباب بھی ضروری ہیں، مگر گھنٹوں ہوٹل میں سڑکوں پر وقت کو ضائع نہ کریں۔میں نے ایسے کئی والد دیکھے ہیں جن کی عمریں 40 تا 50 کے درمیان ہے مگر آپ خود Game کھیلتے ہیں عمر کے اس حصّے میں آپ کے مزاج میں اعتدال نہیں آیا تو کیا خاک اولاد سدھرے گی۔آپ خود دیر رات تک جاگتے ہیں، رشتے داروں سے آپ کے خود تعلقات صحیح نہیں ہیں ،آپ رشتوں کو سہنا سیکھیئے آپ بیٹے کے سامنے سگریٹ پیتے ہیں، یہی چیز بیٹا دیکھتا ہے۔بچہ بچپن میں پنسل کو سگریٹ کی طرح پیتا ہے

اور خوش ہوتا ہے کہ اس سے والد کی نقل کی والد یہ کام کرتے ہیں اور ہمیں بھی بڑے ہو کر کرنا ہے اور فرق صرف اتنا ہے کہ پنسل کی جگہ جوانی میں سگریٹ آ جاتا ہے۔

18۔والدہ اگر شکایت کرے تو آپ بچوں کو ڈانٹ لگائیے اس سے والدہ کا بھرم برقرار رہتا ہے اور بچوں کو ڈر لگا رہتا ہے کہ والد کے سامنے بات گئی تو معاملہ بگڑ سکتا ہے اس سے آپ کی گرفت کا احساس آپ کی غیر موجودگی میں بھی رہتا ہے ایسا نہ ہو کہ والدہ کبھی شکایت کر لیں انہیں تو یقین رہتا ہے کہ والد تو غصہ نہیں کریں گے وہ مصروف ہیں اُن کا گھر کے باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔اُن سے تو صرف اچھے کھانے کی چیزیں، کھلونے، کپڑے منگوائے جاتے ہیں۔

19۔اہم اور آخری بات، بچوں کی ہر ضد پوری نہ کریں اور آپ جس محنت ومشقت سے اپنے آپ کو جلا کر پیسا کما رہے ہیں۔اس کا احساس دلائیں۔آپ کے دفتری وکاروبار میں ہونے والی مشقتوں اور تکلیفوں کا ذکر کریں تاکہ ان کے نازک ذہنوں میں یہ بات آجائے کہ باپ نے اپنی ضرورتوں کو قربان کر کے ان کی خواہشوں کو پورا کیا ہے۔ باپ نے نیند خراب کر دی تاکہ تم چین سے اچھے گھر میں سو سکو، نیز باپ نے اپنے وجود کو قربان کر دیا تاکہ تم پروان چڑھ سکو۔ یہ بات یاد رہے کہ ان کو تو زندگی میں آگے سوال نہیں کریں گے کہ آپ نے ان کے لیے کیا کیا؟۔اور آپ کی زندگی کے اختتام تک وہ آپ کی عزت وخدمت کریں گے۔

20۔ماں باپ کو اولاد سے عزت وخدمت دو چیزوں کی ہی امید ہوتی ہے۔

امید کرتی ہوں کہ یہ تمام چیزیں آپ کے کام آئیں۔اللہ ہمیں اور آپ کو اولاد کی اچھی تربیت کی توفیق دے اور ہماری اولادوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ میں نے یہ مضمون کئی گھروں کے جائزے اور کئی خواتین کے اصرار کے بعد لکھا ہے۔چونکہ عورتیں اپنی بات اور جذبات کہنے کیلئے الفاظ کا کم اور آنسوؤں کا سہارا زیادہ لیتی ہیں یہ ان تمام ماؤں کے الفاظ ہیں جو میری قلم کے سہارے سے آپ کے سامنے ہیں۔

گہوارے میں شعلوں کے بچپن سے جو پلتا ہے
وہ پھول ہی گلشن کی تاریخ بدلتا ہے

ھاجرہ نور زریاب۔آکولہ مہاراشٹر

غزل

امورِ زیست میں الجھے ہوئے ہیں ہم دونوں
سفر یہ کیسا کہ ٹھہرے ہوئے ہیں ہم دونوں

کہا تھا ساتھ نہ دو میرا حق پرستی میں
سو آج دار پہ لٹکے ہوئے ہیں ہم دونوں

سفر پہ جانے سے پہلے دعا نہیں مانگی
وہی ہوا ہے نا ، بھٹکے ہوئے ہیں ہم دونوں

کہانی عشق کی پھیلی ہے خوشبوؤں کی طرح
ورق ورق یہاں بکھرے ہوئے ہیں ہم دونوں

کسی بھی طرح آنکھ نہیں لگ رہی زریاب
شکستہ خواب کے ٹکڑے ہوئے ہیں ہم دونوں

محمد عارف حسین ریسرچ اسکالر،شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

راغب کی شعری کائنات میں مدحِ رسولؐ کا فکری و فنی مطالعہ

راغب مرادآبادی کا اصل نام اصغر حسین اور تخلص راغب ہے۔ان کی پیدائش ۲۷مارچ ۱۹۱۸ءکو دہلی میں ہوئی۔ آبائی وطن مرادآباد تھا۔بی اے تک تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ انہوں نے السنہ شرقیہ کے کئی امتحان پاس کیے۔طبیہ کالج دہلی سے طب کی سند بھی حاصل کی،مگر سرکاری ملازمت کو ذریعہ معاش بنایا۔قیام پاکستان کے بعد کراچی چلے گئے اور ملازمت لیبر ڈپارٹمنٹ میں کی۔۱۹۸۰ء میں اسی ڈپارٹمنٹ میں پبلک ریلیشن آفیسر کی حیثیت سے سبک دوش ہوئے۔ان کی شعری تربیت میں مولانا ظفر خاں کا ہاتھ ہے۔انھوں نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ رباعی ان کی سب سے زیادہ پسندیدہ صنف سخن ہے۔تاریخ گوئی میں ان کو خاص ملکہ حاصل ہے۔فی البدیہہ اشعار کہنے میں انھیں ید طولیٰ حاصل ہے۔ان کی تصانیف کے چند نام یہ ہیں۔

(۱) بدرالدجیٰ (نعتیں)(۲) آزادی (رباعیات)(۳) مکالمات جوش وراغب (۴) حضور خاتم الانبیا (سلام،نعتیہ رباعیات)(۵) مدحت خیرالبشر (نعتیہ اشعار)(۶) ضیائے سخن (۷) محنت کی ریت (منظومات)(۸) تحریک (مضامین)،(۹) ترغیب (مضامین)(۱۰) نذر شہدائے کربلا (سلام ورباعیات)(۱۱) ہمارا کشمیر (منظومات) (۱۲) عزم وایثار (منظومات) (۱۳) تاریاں دی لو (پنجابی شاعری) (۱۴) جادۂ رحمت (سفرنامہ) (۱۵) مدح رسول (غیر منقوط نعتیہ کلام)(۱۶) ساغر صدرنگ (۱۰۰منتخب اشعار)(۱۷) امن وامان(۱۸) قومی یک جہتی (۱۹) دہشت گردی (انتخاب)(۲۰) رگ گفتار (اردو، فارسی غزلیات ورباعیات)۔

حکومت پاکستان نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں ''تمغہ حسن کارکردگی'' سے بھی نوازا ہے۔جناب راغب مرادآبادی ۱۸جنوری ۲۰۱۱ءکو دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔

راغب مرادآبادی کا شمار ان ممتاز صاحب فکر اساتذہ میں ہوتا ہے جو کلاسیکی روایات کی باریکیوں کا بھرپور ادراک رکھتے ہیں۔ انھیں شاعری کی مختلف اصناف پر عبور حاصل ہے لیکن تاریخ گوئی اور فی البدیہہ میں بے مثل ہیں زبان وبیان اور فنی رموز کے حوالے سے ان کا کلام سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی پہچان ان کی رباعیات ہیں۔ ان کے اب تک تقریباً ۴۰ مجموعات کلام شائع ہوچکے ہیں۔ جس میں غزلیں، نظمیں، نعت اور پنجابی شاعری شامل ہیں۔ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے دوران یہ نیت کی کہ ایک ایسا مجموعہ نعت مرتب کیا جائے جس کی ہر نعت کی ردیف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو قرآن حکیم میں سورۃ محمد موجود ہے۔اور یہ اسم پاک کلمہ کا حصہ ہے۔جیسے ہی وطن پہنچے اپنے ارادہ کو عملی شکل دی اور ۷۶نعتوں پر مشتمل مجموعہ مرتب کیا۔

''مدح رسول'' راغب مرادآبادی صاحب کا غیر منقوط،نعتیہ مجموعہ کلام ہے اس سے قبل منقوطہ نعتیہ کلام ''مدحت خیرالبشر'' کے نام سے چھپ کر اہل علم وادب سے داد وتحسین حاصل کرچکی ہے۔'راغب مرادآبادی نے ''مدح رسول'' کے نام سے کتاب ۱۹۷۹ء میں تصنیف کر لی تھی۔مگر کتاب ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ کتاب ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔آخری نو

صفحات، فرہنگ کے لئے مختص ہیں۔ اردو غیر منقوط نعتیہ مجموعوں میں ''مدح رسول'' کواولیت حاصل ہے۔نمونہ کلام:

عدل، صمد، ودود، مودود اللہ
روح سمک ملھم داود اللہ
اک سر صدا اسرار اساس عالم
عالم عالم کا اصل معبود اللہ
محمد کو، مراد و مدعا لکھ
دوعالم کا سہا را، آسرا لکھ
محمد، راکع و حماد مولا
اٹھا کلک اور روداد حرا لکھ

راغب مرادآبادی کی زودگوئی کے چرچے زبان زد عام ہیں۔ انھوں نے شاعری کی تمام اصناف میں شاعری کی ہے۔ راغب صاحب کی دوسری کتاب ''مدح رسول'' ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد قلم یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ یہ کتاب نہ صرف علم وفن سے مزین ہے بلکہ راغب صاحب کا عشق رسول واضح طور پر کتاب کے ہر ہر صفحے پر جگمگا رہا ہے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے لکھا ہے کہ:

''مدح رسول کی نعتوں اور رباعیوں میں بہت کم ایسے مقامات ہیں۔ جہاں صنعت غیر منقوط میں اظہار، جذبہ اور اردو کے مزاج پر غالب آئی ہو وہاں بیشتر مقامات پر یہ مشکل صنعت حجاب درمیاں نہیں بنی ہے بلکہ وسیلۂ انعکاس جذبہ وخیال کے طور پر سامنے آتی ہے''۔(مدح رسول، راغب مرادآبادی، مطبع ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۹۸۳ء، ص۲۴)

ڈاکٹر شان الحق حقی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جناب راغب مرادآبادی ہمارے عہد کی ان چند باکمال ہستیوں میں ہیں جن کے سامنے میرا سرنیاز جذبہ عقیدت اور وفور تحسین سے جھک جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے آپ کو استاد نہیں کہلوایا، مگر استاد کا لقب انہیں زیب دیتا ہے۔(مدح رسول، راغب مرادآبادی، مطبع ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۹۸۳ء، ص۳۰)

مزید فرماتے ہیں کہ:

راغب صاحب کی نعتوں میں کہیں بھی کوئی بات ثقاہت یا معقولیت سے ہٹی ہوئی نہیں ملے گی۔ اظہار محبت وارادت ہے، جیسا کہ چاہیے مگر پوری احتیاطوں کے ساتھ جو ان کے خلوص کلام کی شاہد ہیں۔ یہ مجموعہ اردوادب کے جواہر خانے میں ایک بہا اضافہ ہے اور یقین ہے کہ فارسی میں فیضی کی ''سواطع الالہام'' کی طرح راغب صاحب کا یہ کارنامہ بھی اردو میں منفرد رہے گا۔ جزاہ اللہ خیر الجزا۔(مدح رسول، راغب مرادآبادی، مطبع ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۹۸۳ء، ص۳۶)

ہمیں اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ راغب مرادآبادی نہ صرف یہ کہ وہ ایک بڑے شاعر تھے بلکہ وہ ایک اچھے انسان بھی تھے۔ ان کے چند نعتیہ اشعار آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

دو عالم کا حاصل محمد
محامد کا حامل محمد
علمدار اسم احد کا
وہ علام کامل محمد

(مدح رسول، راغب مرادآبادی، مطبع ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۹۸۳ء، ص۱۰۱)

سرور دوسرا درود و سلام
ماہ دار حرا درود و سلام
محرم سر لا و الا اللہ
حرم مدعا درود و سلام

(مدح رسول، راغب مرادآبادی، مطبع ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۹۸۳ء، ص۱۰۵)

راغب صاحب کے اس مجموعے میں صنعت غیرمنقوطہ میں چالیس نعتیں اورتیئیس رباعیاں ہیں۔ ان کے پہلے نعتیہ مجموعے ''مدحت خیر البشر'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ۶۳ سالہ حیات مبارکہ کی نسبت سے ۶۳ نعتیں تھیں۔ دوسرے مجموعے میں بات ۶۳ کے التزام سے آگے بڑھ گئی ہے۔ چالیس نعتیں حیات قبل بعثت کا احاطہ کر رہی ہیں اور ۲۳ رباعیوں میں زمان نبوت کا نقش ہے۔

بعض اشعار روانی کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ یہ اشعار غیر منقوطہ ہیں پڑھنے یا سننے والے کو پتہ نہیں چلتا۔ مثلاً

ہو گوہر اکرام عطا احمد مرسل
ہر لحمہ کرم اور سوا احمد مرسل
حاصل مدام دل کو گل مدعا ہوا
دائم در رسول ملا اور کھلا ہوا
محمد کا کرم درکار ہوگا
مرا دل محرم اسرار ہوگا
محمد کو مراد و مدعا لکھ
دوعالم کا سہارا آسرا لکھ
ہوگا معدوم ہالہ اوہام
حوصلہ حوصلہ دل محصور
مرا دور دور مسائل
کرو حل مسائل محمد
دوعالم کا دل اور دل آرا محمد
ہمارا محمد ہمارا محمد
اسم رسول دوسرا صل علیٰ محمد
ورد مرا سدا رہا صل علیٰ محمد
مسلسل اس کا کرم لا الٰہ الا اللہ
ہو ورد دم ہمہ دم لا الٰہ الا اللہ
اگر ہو درک کلام رسول کا راغب
گل سواد ارم لاالٰہ الا اللہ
ہر عامل رسول رہا حرص کا عدو
ہر کم سواد طامع دام و درم ہوا

در ملا محمد کا
دل ہوا محمد کا
ہر طرح رہا دل کو
آ سرا محمد کا
کام ہر عدو کا مکر
اور دعا محمد کا
سائل کرم ہر دم
ہر گدا محمد کا

کتاب میں اظہر عباس ہاشمی، ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی، شان الحق حقی اور سید فراست رضوی کی تحریریں شامل ہیں جس میں راغب مرادآبادی کی قابلیت اور ان کی شاعری کے ہر فن میں قدرت کا برملا اعتراف ہے۔ کتاب کے آغاز میں ''اولاد والو'' کے عنوان سے راغب صاحب کی مختصر نثری تحریر صنعت غیر منقوط میں ہے۔ اور اسی صنعت میں ''الحمدللہ'' کے عنوان سے انہوں نے اللہ رب العزت کی حمد وثنا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کے ساتھ اپنے مخلصین، محبین کا شکریہ ادا کیا ہے۔ کتاب میں عناوین کی فہرست کے لئے ''فہرست'' کا متبادل لفظ ''سلک درر'' کا استعمال ہے۔ اور اس کے تحت سارے عناوین کی سرخیاں ہیں ۔

مصنف ''مدح رسول'' نے صرف ۱۷ غیر منقوطہ حروف تہجی کے محدود و مختصر دائرے میں رہ کر بہ توفیق ایزدی، مداحی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ادا کیا ہے اور وہ بھی نظم میں جہاں فنی، لسانی اور عروضی پابندیوں کو مدنظر رکھنا ناگزیر ہے۔ اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں۔

راغب مرادآبادی کا مجموعہ نعت ''مدح رسول'' (غیر منقوط) اہل علم واہل دل کے لے ایک خزینہ ہے اور حضرت راغب مرادآبادی کے لئے ذریعہ نجات ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے سرمایے میں اضافہ بھی ہے۔

ایس۔ایم عارف حسین۔اعزازی خادم تعلیمات، مشیرآباد، حیدرآباد

میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں

محمد صلعم نے عالم انسانیت کو آگاہ کیا کہ " مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے. " آپ صلعم کا یہ انکشاف دنیا بھر کے معلمین کے لیے باعث افتخار ہے ۔

" معلم " - استاد- گرو یا ماسٹر اس کو کہتے ہیں جو پڑھنا لکھنا سکھائے- کوئی ہنر بتائے-کسی کھیل میں رہنمائی کرے-اجتماعی و معاشرتی کاموں میں رہنما و سپہ سالاری کی ذمہ داری سنبھالے وغیرہ وغیرہ ۔

اللہ نے حضور صلعم کو ساری انسانیت کے لیے "معلم" و آخری رسول اور رحمت اللعلمین بنا کر بھیجا اور آپ صلعم پر اپنی ہدایات کو " قرآن مجید " کی شکل میں نازل فرما کر دین اسلام کی تکمیل کی. اس طرح آپ صلعم کی معلمانہ کیفیت کو مستحکم کیا۔

آیئے آپ صلعم کی چند ایک معلمانہ صفات پر نظر ڈالتے ہیں ۔جبریل علیہ سلام جب بھی اللہ کی جانب سے " وحی " لیکر آتے آپ صلعم کے آگے دوزانو ہو کر بیٹھتے اور وحی پہونچاتے ۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک فرشتہ ہوتے ہوئے معلم حضور صلعم کا کس قدر احترام کرتے تھے. لہٰذا دنیا کے انسانوں کو چاہیے کہ وہ معلمین کی قدر و عزت کریں تب ہی کہیں جا کر علم کی دولت سے سرفراز ہو سکتے ہیں ۔

" آپ صلعم سارے عالم کے لیے ایک معلم بنا کر بھیجے گیے ." آپ صلعم کی نبوت والی زندگی کا ہر لمحہ چاہے وہ ظاہری ہو یا پردہ والا، وہ برتاو کے لحاظ سے معلمانہ صفت سے بھرپور تھا.

حسب ذیل متذکرہ چند امور پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک حقیقی معلم کی کیا صفات ہونی چاہیے ۔

جب جب آپ صلعم پر وحی نازل ہوتی اسکو اپنے گھر والوں اور صحابہ میں جلد از جلد پہونچا دیتے اور بار بار وحی کے مضمون کو دہراتے اور زبانی یاد فرما لیتے اور صحابہ کو بھی زبانی یاد کرنے کی جانب توجہ مبذول کرواتے. یہاں دنیا بھر کے معلمین کو یہ سبق لینا چاہیے کہ کسی " مضمون " کو اپنے شاگردوں تک پہونچانے سے پہلے خود اچھی طرح پڑھ لینا اور یاد کر لینا چاہیے اور پھر شاگردوں کو پڑھنے اور یاد کرنے کی طرف توجہ دلانی چاہیے. آپ صلعم کی اس معلمانہ صفت سے یہ درس ملتا ہے کہ کسی بھی کام کی ہدایت سے قبل از خود اس پر عمل کرنا ضروری ہے تب ہی کہیں جا کر سامنے والے طلباء و حاضرین پر مثبت اثر مرتب ہوتا ہے ۔

ایک "معلم" وہی نہیں ہوتا جو دنیاوی تعلیم کے اسنادات رکھتا ہو بلکہ زندگی کا ہر پہلو جیسے اٹھنا بیٹھنا- چلنا- آرام کرنا- کھانا پینا- اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں- رشتہ داروں و دوست احباب کے ساتھ برتاو- روزگار کے حصول کے جائز طریقہ کو اپنانا- اپنے دین کی اشاعت پر محنت کرنا- معاشرہ کے افراد کی ہر اچھی بری خبر کا علم رکھنا اور معاشرہ کی اجتماعی بہتری و سدھار کے لیے عملی

اقدامات کرنا اور اپنا اور اپنے مذہب کے ماننے والوں کا تحفظ اور مذہب کی بقاء کی فکر کرنا اور ضرورت پڑ جائے تو مذہبی وسماجی دشمن سے معاشرتی وطبعی مقابلہ کرنا یہ تمام کیفیات کا مالک بھی معلم کا مقام رکھتا ہے۔

آیئے ہمارے پیارے رسول صلعم کی زندگی کے چند چھوٹے چھوٹے واقعات پر نظر ڈالیں جو آپ صلعم کی معلمانہ صفت کو کھول کھول کر بیان کرتی ہیں جو ایک معلم میں پائے جانا لازمی ہے تب کہیں جا کر ایک عام انسان معلم کہلانے کے قابل بنتا ہے۔

حضور صلعم کی زندگی کا معمول تھا کہ آپ صلعم کم کھاتے -کم سوتے -سادہ لباس زیب تن کرتے -شیریں گفتگو کرتے اور آواز درمیانی ہوتی -کسی مزاحیہ بات پر بلند قہقہوں کی بجائے صرف مسکراتے -مقرر کی حیثیت سے مجلس میں ہر فرد کی بات پر توجہ دیتے اور پوچھے گئے سوال کا اطمینان بخش جواب دیتے -ضرورت پر دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے منصوبہ بندی فرماتے اور جنگ کے میدان میں از خود آگے آگے رہتے یعنی سپہ سالاری کی ذمہ داری بھی نبھاتے -ہر کام کی شروعات سے قبل اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے۔

جہاں تک آپ صلعم کی نجی زندگی کا تعلق ہے آپ صلعم زیادہ سے زیادہ وقت عبادات میں گذارتے۔ رات کا قریب دو تہائی حصہ عبادت اور اللہ کے سامنے گڑ گڑا کر رونے اور خاص کر اپنی امت کی بہتری اور بخشش کے لیے دعا کرتے کرتے اور شکر ادا کرنے میں گذر جاتا یہاں تک کہ عبادت میں کھڑے کھڑے آپ صلعم کے پیر مبارک پر سوجن آجاتی۔ اپنے گھر کے کام میں اپنی زوجہ کی مدد فرماتے۔ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے کبھی کبھار انکے ساتھ کھیلا کرتے۔ آپ صلعم کے گھر جب آپکی بیٹی تشریف لاتیں تو محبت میں استقبال کے لیے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور بیٹی کی پیشانی کو چومتے۔ جب کبھی گھر سے باہر جانا ہوتا سب سے آخیر میں بیٹی سے ملاقات کر کے گھر سے وداع ہوتے۔ آپ صلعم کے بیٹی و داماد میں کچھ ان بن ہو جاتی تب بنفس نفیس معاملہ کو سلجھاتے۔ آپ صلعم اپنی رضاء بہن کو بھی بہت زیادہ چاہتے یہاں تک کہ جب بہن آپ صلعم سے ملنے گھر آتیں تب آپ صلعم استقبال فرماتے اور اپنی چادر پھیلا کر اس پر بٹھاتے اور جب وداع ہو کر جانے لگتیں تو آپ صلعم گھر کے باہر تک آکر وداع کرتے اور بہن کے جاتے ہوئے منظر کو آنکھوں سے اوجھل ہونے تک انتظار فرماتے۔ آپ صلعم اپنے نواسوں سے والہانہ محبت کرتے ایسا بھی دیکھا گیا کہ حالت نماز میں جب نواسہ آپ صلعم کی پیٹ پر سوار ہو جاتے تب آپ صلعم سجدوں کو طویل فرماتے یہاں تک کہ بسا اوقات آپ صلعم کے پیچھے نماز ادا کرنے والے صحابہ طویل سجدہ کی وجہ سے پریشان ہو جاتے۔

حضور صلعم کی مذکورہ بالا صفات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ معلم صرف اسی کو نہیں کہتے جو دنیا کی اعلی تعلیم حاصل کر کے اسنادات کا مالک بنے بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کی اچھائیوں اور برائیوں کے فرق سے انسانوں کو واقف کراتے ہوئے معاشرہ میں انفرادی واجتماعی بہتری لائے۔

لہٰذا دور حاضر کے معلمین کو چاہیے کہ ایک سچے معلم بنیں۔ اسکے لیے حضور صلعم کی مذکورہ بالا صفات پر عمل کرنا لازمی ہے تب ہی کہیں جا کر " ایک حقیقی معلم " کا مقام حاصل کر سکتے، ہیں صرف دنیاوی تعلیم کی اسنادات کا حاصل کرنا ایک معلم کے لیے کافی نہیں۔

صفیہ بیگم۔پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالرعثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

عزیز قیسی بہ حیثیت رباعی گو

سرزمین دکن اردو کی شادابی کے لیے ایک الگ پہچان رکھتی ہے۔یہاں پراردوشاعری بہت پھلی پھولی ہے۔قدیم زمانے میں یہاں مثنویوں کا چلن عام تھا،درباری شعرا غیردرباری شعرا سبھی نے مثنویاں لکھیں۔زمانے کے ساتھ ساتھ اردونظم کی مختلف اشکال وجود میں آئی۔

رباعی اردو نظم کی ایک صنف ہے۔ رباعی صورت کے اعتبار سے مختصرترین غزل اورسیرت کے اعتبار سے مختصرترین نظم ہے۔رباعی ساخت کے لحاظ سے پچیس تیس الفاظ سے ترتیب یافتہ چارمصرعوں پر مشتمل صنف شاعری کا نام ہے،پچیس تیس الفاظ سے مرکب چارمصرعوں کے اندرایک جہاں معنی آباد ہوتا ہے۔

قیسی صاحب کا شمار بیسویں صدی کے اہم شعراء میں ہوتاہے۔عزیز محمد خان عُرف عزیز قیسی حیدرآباد کے محلّہ جہاں نما میں ۵رنومبر ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوئے۔نظم گوئی غزل گوئی، رباعیات اور حصہ نثر سے اول نگاری،افسانہ نگاری،ڈرامہ نگاری، تنقیدی مضامین وغیرہ میں یہ اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔

قیسی صاحب کی شاعری میں اخلاق وآداب کی خوب ترجمانی ملتی ہے۔ان کی فکر پختہ ہے۔انہوں نے زندگی کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے۔ان کی نظموں اور غزلوں کے مقابلے میں ان کی لکھی رباعیات کی تعداد کم ہے مگر جتنی بھی ہے معنویت سے بھرپور ہے۔ان چاراشعار میں وہ اپنی پوری بات کہہ جاتے ہیں ۔

سم خیز گھٹا ذہن سے چھٹ جائے گی
سینے پہ یہ دھری چٹان ہٹ جائے گی
محسوس یہ ہوتا ہے دم فکر کبھی
گر شعر نہ ہو سانس الٹ جائے گی

شکوے گلے آنسوؤں میں ڈھلتے دیکھے
تارے کئی پلکوں پہ پگھلتے دیکھے
الفاظ کو شمعوں میں بدلتے دیکھے
پانی میں کئی چراغ جلتے دیکھے

غم گرچہ ہیں بے شمار سہنے کے لیے
درماں بھی ہیں صد ہزار کہنے کے لیے
اک پل کی شکست خواب کافی ہے مگر
تا عمر یہاں اداس رہنے کے لیے

استحصال کسی ایک شعبہ حیات تک محدود نہیں،اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور بازار اساس معیشت میں منافع کی مسابقت نے زندگی کی تخلیقی سوتوں کو بھی خشک کردیا ہے۔

تیرا ہے زمانہ نہیں، میرا بھی نہیں
بیگانہ نہیں ہے ، نہیں اپنا بھی نہیں
ہے سب کو بھرم سب سے ہے رشتہ اس کا
جو سب کا ہے در اصل کسی کا بھی نہیں

بہ عارضہ کینسر ۳۱رستمبر ۱۹۹۲ء عزیز قیسی کا انتقال ہوا۔عزیز قیسی کا شمار ہندوستان کی ان ادبی شخصیات میں ہوتا ہے جن کو زمانہ کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد پر جشن آزادی کا

''امرت'' مہا اُتسو موضوعاتی مشاعرہ

ولی محمد زاہد ہریانوی 'حیدرآباد

ہمارے ملک ہندوستان میں 75 واں جشن آزادی منایا جارہا ہے اور تمام باشندگان ہند کے قلوب ملک کی آزادی کی خوشی سے سرشار ہیں۔ یہ جشن ملک کی تاریخ کا سب سے بڑا قومی جشن ہے جسے نہ صرف مسلمان بلکہ وہ لوگ جن کے قلوب وطن کی محبت سے معمور ہیں اس تاریخی جشن کو ہر سال مسرت بھرے انداز سے مناتے ہیں۔ وطن کی آزادی کی داستان تو بہت طویل ہے جسے قلمبند کرنے کے لئے ہزاروں صفحات بھی کم پڑجائیں میں مختصراً عرض کروں کہ آزادی کے حصول میں شعراء کرام ادیبوں اور صحافیوں کا ایک اہم رول رہا ہے۔ اکبر الہ آبادی اور رام پرساد بسمل' مجاہد آزادی مولانا محمد علی جوہر' مولانا حسرت موہانی اور دیگر شعراء کرام نے آزادی کیلئے نظمیں کہیں اور مشاعروں کے ذریعہ اپنی آواز انگریز حکمرانوں تک پہنچائی۔ شہید اشفاق اللہ خان' اور شہید سردار بھگت سنگھ' اور بے شمار علماء کرام نے دیش کی خاطر اپنی قربانیاں پیش کیں۔ تب کہیں جاکر ہمیں انگریزوں کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی ملک کے 75 ویں جشن آزادی کے اس پرمسرت موقع پر حکومتِ ہند کے خصوصی پروگرام جشن آزادی کا ''امرت'' مہا اُتسو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد میں ایک موضوعاتی مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں حیدرآباد کے نامور شعراء کرام نے کلام سنا کر مشاعرہ کو کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ جسے قارئین کے تسکینِ ذوق کے لئے اخبارِ ہذا کے ادبی کالم میں شامل کیا جارہا ہے۔ سب سے پہلے ناظم مشاعرہ ولی محمد زاہد ہریانوی نے اپنا کلام پیش کیا۔

کیا ہے دیش پر قرباں مہاویروں نے جب خود کو
منایا ہم نے آزادی کا تب ''امرت'' مہا اُتسو
کٹائے سر بھی گلشن پر کوئی پروانہ کی جاں کی
عدو سے چھین کر ہندوستاں یہ دے دیا ہم کو
جشنِ آزادی مناؤ یومِ آزادی ہے آج
حُریت کے گیت گاؤں یومِ آزادی ہے آج
دی ہے قربانی سبھی نے تب یہ آزادی ملی
جشن بھی مل کر مناؤ یومِ آزادی ہے آج
یہ پچھترویں ہے آزادی ہمارے دیش کی
سارے بھارت کو سجاؤ یومِ آزادی ہے آج
ہندو مسلم سکھ عیسائی آؤ سب مل کر کہیں
جشنِ آزادی مناؤ یومِ آزادی ہے آج
قومی یکجہتی کو قائم رکھو اپنے دیش میں
نفرتیں دل سے مٹاؤ یومِ آزادی ہے آج
دشمنوں سے بھی اے زاہد پیار کی باتیں کرو
سب کو سینے سے لگاؤ یومِ آزادی ہے آج

پھر حیدرآباد کے استادِ سخن ماہرِ عروض جناب زعیم ذومرہ نے اپنے مخصوص انداز میں کلام پیش کیا۔

مسرت میں یادِ خدا کررہا ہے
وہ اک کام یہ کام کا کررہا ہے
سمندر میں جو راستہ کررہا ہے
وہ موسیٰ کا دیکھو عصا کررہا ہے
گئے آگ لینے پیمبرؐ بنے وہ
کہ موسیٰ کو رب یوں عطا کررہا ہے
یہ دو دن کی دُنیا سجانے کی خاطر
وہ ہستی کو اپنی فنا کررہا ہے
زعیم اب ٹلی جارہی ہیں بلائیں
کوئی میرے حق میں دُعا کررہا ہے

آپ کے بعد حیدرآباد کے بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر جناب آغا سروش نے اپنے قیمتی اشعار سے نوازا۔ وہ کہتے ہیں

جنما ہے کس دیس نے پہلے ایسا کوئی لجپال
باپو کا مقروض ہے اپنے تن کا اک اک بال
باپو کے دو بازو تھے اک ہندو ایک مسلماں
مولانا آزاد اک بازو ایک جواہر لال
گھر کی چھت بوسیدہ ہوکر ویسے تو سو بار گری
کتنی گرد اُڑی مت پوچھو جب دل کی دیوار گری
میں تو وہیں پر بیٹھ گیا جب رستے ہوئے دونوں کے الگ
سایۂ قد سے ٹھوکر کھاکر وہ بھی پہلی بار گری
جس دن وہ سسرال سے اٹھ کر چلی گئی میکے اپنے
اُس دن ایسی خاموشی تھی جیسے کوئی سرکار گری

آخر میں حیدرآباد کے سینئر شاعر صحافی' مدیر خوشبو کا سفر جناب صلاح الدین نیّر صدر مشاعرہ نے اپنے بہترین ترنم میں کلام پیش کرکے محفل کو خوشگوار بنادیا وہ کہتے ہیں۔

جنگِ آزادی اُجالوں کی ضمانت تھی مگر
اس ادا سے روشنی آئی کہ بینائی گئی
تھک کے پھر بیٹھ گئی آج زلیخائے وطن
میرے مالک تو اسے پھر سے جوانی دے دے
یہودیوں کی روش اختیار مت کرنا

اگر ہے ظرف تو پیچھے سے وار مت کرنا
ہمارے پُرکھوں کی یہ آخری نشانی ہے
روایتوں کو کبھی داغدار مت کرنا
کیا ضروری ہے کہ شعلوں کو ہوا دی جائے
کیوں نہ ہر شہر سے یہ رسم اُٹھادی جائے
ہم کو جینا ہے یہاں خون کے رشتوں کی طرح
فاصلے ہوں تو یہ دیوار گرادی جائے

پروفیسر مظفر علی شہ میری سابق وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول آندھرا پردیش کے ساتھ فن خطاطی کے مسابقتی پروگرام میں پوزیشن لانے والے اور شریک ہونے والے تصاویر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

فن خطاطی کرنے سے روح کی نظافت ہوتی ہے اور خوب صورت تحریر سے وقار میں اضافہ ہوتا ہے ان خیالات کا اظہار استاذ محترم پروفیسر مظفر علی شہ میری صاحب نے ذیمریس ادبی فورم وجہ نگر کالونی حیدرآباد کے ادبی ہال میں فن خطاطی کی اہمیت اور اس کا فن،، پر خطاب کرتے ہوئے کہا، پروگرام بہت کامیاب رہا، اس مسابقتی امتحان میں دو درجن سے زائد نو آموز اور کچھ تجربہ کار نے حصہ لیا اول، دوم، سوم منتخب ہوئے کو شہ میری صاحب کی طرف سے ہزار، ہزار نقد اور ذیمریس ادبی فورم کی جانب سے شال پوشی، سند اور مومنٹو پیش کیا گیا، اور امتحان میں شریک ہوئے تمام خطاطوں کو سند پیش کی گئی، اس پروگرام میں شہ میری صاحب کے دو شاگردوں نے شہ میری صاحب کی شخصیت اور ان کے فن پر اپنے تجربات و تاثرات پیش کیے اور شہ میری صاحب کی شخصیت اور ان کے فن کو تعمیری اور مثالی قرار دیا، محسن خان اسکالر نے پروگرام کی نظامت کی، ڈاکٹر مختار احمد فردین مہمان خصوصی رہے اور منفرد انداز میں شہ میری صاحب کی شخصیت کا احاطہ کیا ذیمریس ادبی فورم کی ستائش کی، سید عظمت اللہ بیابانی نے سر پرستی فرماء، اور ذیمریس ادبی فورم کے چیئرمین ڈاکٹر مظفر علی ساجد نے حاضرین محفل، کنٹیسٹن میں تمام شرکاء اور معاونین کا استقبال کیا اور شکریہ بھی ادا کیا، شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے جانب سے ذیمریس ادبی فورم کے تمام ارکان کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ شبلی، چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد، پروفیسر مظفر علی شہ میری کی شخصیت اور فن پر اپنے استاد کے لیے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے

تعلیم اور عوامی فلاح و بہبود خاندانِ آصف جاہی کا مقصد حیات

نظام ثامن کی 88 ویں سالگرہ، مکرم جاہ اسکول کے فاؤنڈرس ڈے کے موقع پر ترکی کونسل جنرل کی تقریر

پرنسپل ریکھا واگڑے، ماہر تعلیم گیتا شیام سندر، محترم فیض خان ٹرسٹی، ڈاکٹر عدنان آلتے اتینو رس کونسل جنرل ترکی، جناب خلیل احمد صاحب ٹرسٹی، سکریٹری محمد ہاشمی صاحب

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی استاد مکرم جاہ اسکول، ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد حضور نظام نواب میر برکت علی خان مکرم جاہ بہادر نظام ثامن نواسہ خلیفہ عبدالمجید ترکی نبیرۂ حضور نظام میر نواب عثمان علی خان نظام ہفتم، پسر نواب میر اعظم علی خان ولی عہد شہوار کے لیے درازئ عمر اور صحت و تندرستی کے لیے ان کی سالگرہ کے موقع پر دعا کرتے ہوئے

بزم علم وادب کی جانب سے چار مدیروں کی تہنیت

حیدرآباد(نیوز فیر سرویس) بزم علم وادب کی جانب سے حیدرآباد سے شائع ہونے والے تین رسالوں اور مغربی بنگال کے ایک رسالہ کے مدیران کو تہنیت پیش کی گئی جس میں حاجی عبدالرؤف (مدیر اطلاع عام، آسنسول)، ڈاکٹر محامد ہلا ل اعظمی (مدیر ماہنامہ صدائے شبلی) ،ڈاکٹر علی باز ہرحما (مدیر ماہنامہ تلنگانہ) اور ڈاکٹر سید حبیب امام قادری (مدیر ماہنامہ تاریخ دکن) شامل ہیں۔ تہنیتی تقریب کی صدارت ڈاکٹر نادر المسدوسی صدر بزم علم وادب نے کی اور مہمانان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹرم ۔ق ۔سلیم (صدر شعبہ اردو شاداں کالج) اور ڈاکٹر مختار احمد فردین (صدر آل انڈیا اردو ماس سوسائٹی فار پیس) نے شرکت کی۔ صدر اجلاس ڈاکٹر نادر المسدوسی نے کہا کہ رسالوں کے مدیر کو چاہئے کہ وہ دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ اس میں دینی علوم کو بھی شامل کریں کیوں کہ ہماری زندگی کا نصب العین ہمارا اپنا مذہب ہے۔ علم کو پھیلاؤ اور اس کے لیے دین کا سہارا لو کیوں کہ اس میں آپ کی نجات ہے اور وہی شخص دنیا میں کامیاب ہوتا ہے اور سرخرو ہوتا ہے جس نے دین کو قائم کیا۔

مہمان خصوصی ڈاکٹر م ق سلیم (صدر شعبہ اردو شاداں کالج) نے تمام مدیران کو مشورہ دیا کہ وہ صرف بڑے لکھنے والوں اور مشہور ناموں کو اہمیت نہ دیں بلکہ نئے لکھنے والوں کی اہمیت افزائی کریں تا کہ وہ مستقبل میں اردو کی باگ دوڑ سنبھال سکیں ۔رسالوں میں ادب کے ساتھ ایک حصہ مذہب کا بھی ہونا چاہئے اور ہم کو اپنے پرکھوں کی تاریخ کو پیش کرنا چاہئے تا کہ نئی نسل اس سے آگاہ ہو سکے ورنہ ہماری نسل بے راہ روی کا شکار ہو جائے گی اور اپنے پرکھوں کے کارناموں کو فراموش کر دے گی۔ محمد آصف علی (صدر احمد علی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی) نے کہا کہ آج مدیروں کے لیے مواد ملنا آسان ہے وہ اپنے رسالہ کو ایک نئی زندگی دے سکتے ہیں۔ مختار احمد فردین نے اپنے مشورہ میں بتایا کہ اردو زبان وادب اور اردو تعلیم سے طلبہ کو آراستہ کرنے کیلئے ہم سب کو غور کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اردو زبان کیلئے جس طرح یہ چاروں مدیران خدمت کر رہے ہیں ہم سب کو ان کی حوصلہ افزائی کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر مختار احمد فردین نے اپنے سلسلہ خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر الحاج عبدالرؤف بھی سر سید کے نقش قدم پر ہیں اور وہ بھی قوم کو تعلیم سے آراستہ کرنے کیلئے کام کر رہے ہیں۔ تمام مدیران نے اپنے اپنے رسالوں کے اغراض ومقاصد کو پیش کیا اور کہا کہ آپ لوگوں کی پذیرائی سے ہم پنے کام کو آگے بڑھائیں گے اور انشاء اللہ آپ لوگوں کے مشوروں پر عمل کریں گے۔ محسن خان نے نظامت کے فرائض بحسن وبخوبی انجام دیئے۔ محمد آصف علی کے شکریہ پر تہنیتی تقریب کا اختتام عمل میں آیا۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر
UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

MADRASA ISLAMIA NAJMUL ULOOM
Shahi Hills, Near Masjid Noor Ali, Shaheen Nagar, Hyderabad.
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم
شاہی ہلز نزد مسجد نور علی، شاہین نگر، حیدرآباد
Regd No: 180/2016

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.......................گرامی قدر محترم! امید ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ بخیر وعافیت ہوں گے

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے خَیْرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ۔ تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد میں ۱۵ر جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہوجائیں۔ اللہ رب العزت ان مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا اور ٹرسٹ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔ ٹرسٹیوں کے مشورے سے ٹرسٹ اور مدرسہ کے لیے تین سو ستائیس (327) رگز زمین شاہی ہلز شاہین نگر میں خریدی جاچکی ہے، جس کی مجموعی قیمت چھتیس لاکھ ستّر ہزار تھی۔ الحمدللہ اہل خیر کے تعاون سے بیشتر رقم ادا کردی گئی ہے، ابھی اس مد میں ادارہ دس لاکھ کا مقروض ہے۔ ماشاءاللہ تعمیری کام جاری ہے۔
اس لیے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ نقد اور اشیاء سے تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

Bank Name: IDBI CURRENT ACCOUNT
A/c Number: 1327104000065876
A/c Name: SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code: IBKL0001327. Branch: Charminar

حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Google Pay: **8317692718** WhatsApp: **9392533661**

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

SIECT

Oct. 2021

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

مجتبیٰ ٹکسٹائلس

MUJTABA
TEXTILES

#20-4-20/6/1, 20-4-20/7/5 & 7/6, Punch Mohalla, New Laad Bazar, Khilwath, Hyderabad. T.S. India

Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com

Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com